شعبہ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

چندہ سالانہ
سات روپئے
فی پرچہ ۳۰ پیسے

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

۲۴ صفر ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۵ جون ۱۹۶۵ء

Regd No L 1081

Phone No 22913

TAMEER-E-HAYAT

DARULULOOM, NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

دار العلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

القراءۃ الراشدۃ ۳ حصے

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اسکی نامور شخصیتوں سے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلومات عامہ اور ضروری مضامین آگئے ہیں، اسکی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور وہ کسی اچھے نتیجہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول [illegible] حصہ دوم [illegible] حصہ سوم [illegible]

قصص النبیین للاطفال ۳ حصے

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں ایک طرف زبان کی تعلیم کے جدید اصول اور ماہرین تعلیم و نفسیات کے تجربات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی تعلیم کا بہترین اور سہل ترین ذریعہ بھی ہے، دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور قصوں کو اس پیرایہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول خود بخود طلباء کے ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں، اس سلسلہ کو عالم عربی میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے!

قیمت حصہ اول [illegible]، حصہ دوم [illegible]، حصہ سوم [illegible]

مختارات

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنے کے لائق ہے، اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڑھ، کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول [illegible] حصہ دوم [illegible]

منثورات

از: مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان جاندار ٹکڑوں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن اور کلام کی بلاغت کیساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں، نثر قدیم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم کی بھی نمائش ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت [illegible]

Cover Printed at Nadwatul Ulama Press LUCKNOW

مجلس مشاورت

مولانا محمد اویس ندوی، شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء

مولانا محمد اسحاق ندوی، استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء

مولانا ابو العرفان ندوی، قائمقام مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء

مولانا معین اللہ ندوی، ناظر شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء

مولانا محمد رابع ندوی، ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء

قابلِ توجہ

تعمیر حیات کی قیمت لاگت سے بہت کم رکھی گئی ہے
تاکہ زیادہ سے زیادہ حضرات مستفید ہو سکیں،
اس لئے
اہل استطاعت حضرات سے پُرزور گذارش ہے کہ جو حضرات مندرجۂ ذیل
حیثیات عطا فرما کر دینی لٹریچر کی نشر و اشاعت اور ادارہ کی
اعانت میں حصہ لیں!

معاونین خصوصی سے ——— 200-00

معاونین سے ——— 100-00 / 50-00

اعزازی خریداران سے ——— 25-00

منیجر **تعمیر حیات** شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مضامین وغیرہ کے لئے خط و کتابت اس پتہ پر کی جائے

ایڈیٹر "تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

پاکستان میں چندہ جمع کرنیکا پتہ
مولانا حکیم نصیر الدین صاحب
نظامی ندوی فرقیہ روڈ کراچی
(مغربی پاکستان)

تاریخِ دعوت و عزیمت حصۂ سوم

از — مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

- سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء
- حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری
- سوانح حیات ● صفات و کمالات ● تجدیدی و اصلاحی کارنامے
- تلامذہ و منتسبین و مسترشدین کا تذکرہ و تعارف،

ابتداءً ہندوستان میں تبلیغ اسلام اور خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور ان کے جانشینوں کا تذکرہ!

قیمت: مجلد مع گرد پوش چھ روپے
غیر مجلد پانچ روپے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

مسلم ممالک میں **اسلامیت اور مغربیت** کی کشمکش

- مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش کی مستند تاریخ
- مغربیت کے رجحان کے آغاز و ارتقاء کی کہانی
- مختلف ممالک میں تجدد کی تحریکوں کا تاریخی جائزہ
- ان کے اسباب و محرکات اور ان کا علاج
- مغربی تہذیب کے بارے میں مسلم ممالک کے صحیح رویہ کا تعین
- دعوت عصر حاضر میں ان کے کردار و پیغام کی تشریح

تالیف — مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

کتابت اعلیٰ طباعت فوٹو آفسٹ مجلد قیمت پانچ روپے

ناشر: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

پندرہ روزہ **تعمیرِ حیات** لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۵ جون سنہ ۱۹۶۵ء مطابق ۲۴ صفر سنہ ۱۳۸۵ھ

سالانہ ۷/ روپے — فی پرچہ ۳۰ پیسے

جلد ۲ — شمارہ ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آخری محاذ

محمد الحسنی

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے مسئلہ پر غور کرتے وقت بعض لوگ یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس سے پہلے بہت سے اور
محاذوں پر زور آزمائی کرنی پڑی ہے، سیاسی لامرکزیت، معاشی مشکلات، تعلیمی ارتداد اور ہولناک فسادات (رکھے لئے فسادات کا لفظ درحقیقت بہت
ناکافی بلکہ واقعہ کی بالکل غلط تصویر ہے) یہ وہ محاذ تھے جن کی فتح و شکست پر مستقبل کا انحصار تھا اور جن کو سر کئے بغیر اس ملک میں اسلامی
شخصیت کی حفاظت کسی طرح ممکن نہیں تھی، سنجیدگی اور تحمل کے ساتھ غور کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ ان محاذوں میں سے کسی محاذ پر بھی
خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی، مغربی بنگال و اڑیسہ کے لرزہ خیز واقعات سے اتنا ضرور ہوا کہ مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اور گروہ ایک حد تک یکجا
ہوئے اور کچھ نہ کچھ کرنے پر آمادہ ہو گئے، مسلم کنونشن لکھنؤ، جمہوری کنونشن دہلی اور مسلم مجلس مشاورت اسی خوشگوار تغیر کا ثبوت ہیں۔

ان لوگوں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی کی اس ذرا سی تبدیلی سے آخر کون سی قیامت آ جائے گی، کون سا کردار مجروح ہو جائے گا جس کے لئے اتنا بڑا
ہنگامہ کھڑا کر دیا گیا ہے، قطع نظر اس کے کہ یہ تبدیلی معمولی ہے یا غیر معمولی، میں اس وقت ایک دوسرے نقطۂ خیال کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں،
سوچنے کا ایک طریقہ یہ کہ اپنے آپ کو اس فریب میں مبتلا رکھنے کی کوشش کی جائے کہ یہ اس قسم کا پہلا واقعہ ہے اور اس کے خلاف احتجاج اور ایجی ٹیشن محض وقتی
جذبات اور منافرت کو ہوا دے گی، اس لئے اس چھوٹے مفسدہ کو ان بڑے مفاسد سے بچنے کیلئے گوارا کر لینا چاہئے، یہ طریقہ فکر بڑا صلح پسندانہ نظر آتا ہے لیکن
درحقیقت مسلمانوں کے لئے بڑا ہی خطرناک ہے، اس کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ مسلمان ہر موقع پر بآسانی زمین چھوڑ دینے اور اپنے حقوق و جائز و آئینی مطالبات سے
دستبردار ہو جانے کے عادی اور خوگر ہو جائیں گے اور پھر خدانخواستہ وہ سب کچھ ہوگا جس کا تصور بھی آج ہمارے لئے تکلیف دہ ہے۔

سوچنے کا صحتمندانہ اور جرأت آمیز طریقہ یہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے مسئلہ کو ہم بلا کسی خارجی اثرات کے اسی شکل میں دیکھیں جو اس کی حقیقی شکل ہے یعنی یہ کہ وہ
ان سارے اہم محاذوں کے بعد جن کا ذکر اوپر گزرا ہے، ہمارا آخری اور بہت اہم محاذ ہے۔

مسلم یونیورسٹی کی مخصوص اور باوقار حیثیت اسکے تاریخی پس منظر اس کے کردار اور اسکی سابقہ و حالیہ خدمات نیز مسلمانوں کے گہرے جذباتی تعلق نے
اس کو ایک بڑا اور مضبوط قلعہ بنا دیا ہے، اور اگر یہ قلعہ مسمار ہو جاتا ہے تو پھر پوری بستی کی خیر نہیں۔

آرڈیننس کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کا مطلب صرف یہ ہوگا کہ ہمارے اندر اپنے کسی بھی بڑے سے بڑے سرمایہ کی حفاظت کرنیکی اہلیت نہیں اور اپنے ہر معاملہ میں
خواہ اسکا تعلق ہمارے مذہب، ہماری تہذیب اور ہماری تعلیم سے ہو ہم دوسروں کے رحم و کرم پر ہیں۔ یہ نہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ اپنے جائز سے جائز اور
معصوم سے معصوم اور سو فی صدی آئینی مطالبہ کے لئے بھی ہم دوسروں کی نگاہ دیکھنے کے عادی ہیں، اور برسر اقتدار جماعت کی پیشانی کی ایک شکن ہمارے قدموں
کو متزلزل کر دینے کے لئے کافی ہے، ہم چاہیں یا نہ چاہیں مسلم یونیورسٹی کو تاریخ اور حالات نے ایک آخری محاذ بنا دیا ہے اور اگر اس کے بعد کوئی اور محاذ بھی ہماری
قسمت میں لکھا ہے تو اس کا فیصلہ بھی اسی وقت اور اسی موقع پر ہونا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ آرڈیننس کے ذریعہ لاد دیجانے والی تبدیلیاں اس پر
کتنی اثر انداز ہوں گی، مسئلہ صرف اتنا ہے کہ آیا ہمیں کسی ایک یونیورسٹی کو بھی جو سو برس سے اپنی مخصوص روایات کے ساتھ قائم ہے، اپنی مرضی اور ضرورت
کے مطابق چلانے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟
تھوڑی دیر کے لئے یہ بھول جائیے کہ اس مداخلت کے نتائج یونیورسٹی کے حق میں اچھے ہوں گے یا برے، بلکہ یہ سوچئے کہ پانچ کروڑ کی وہ اقلیت جس پر طاقت

گے دروازے بند کر دیئے گئے جسکو جب مشکوک نگاہوں سے دیکھا گیا جس سے بار بار وفاداری کا ثبوت مانگا گیا اور وہ انتہائی تحمل اور صبر وضبط کے ساتھ یہ ثبوت دیتی رہی جس نے متعصب ہندوؤں کی گالیاں دفتر اور بازار سے لیکر اسٹیج اور پریس تک پوری خندہ پیشانی کے ساتھ سہیں اور جس کو مرار جی ڈیسائی جیسے لیڈروں نے بیر عام اسی طرح خطاب کیا جس طرح کسی زر خرید غلام کو خطاب کیا جاتا ہے لیکن پھر بھی اس پر اسکا کوئی ردعمل نہیں ہوا اور ان پورے سترہ سالوں میں اس کا دامن کسی سازش یا تخریبی کارروائی .... یا ملک دشمن سرگرمی سے پاک رہا، وہ قوم جس کی رورکیلا اور جمشید پور اور دوسرے مقامات پر بار بار آبرو ریزی کی گئی جس کو سیکولرزم کے نام پر مشرکانہ اور کافرانہ تعلیم کے ذریعہ اپنے مذہب سے بیگانہ کرنیکی کوشش کی گئی اور اسکے احتجاج کی پرواہ نہ کی گئی پانچ کروڑ کی وہ اقلیت کیا اتنا بھی حق نہیں رکھتی کہ اس وسیع وعریض ملک میں ایک یونیورسٹی اپنے منشاء کے مطابق چلا سکے اور اسکو اسلامی تہذیب و ثقافت کا مرکز اور نمونہ بنا سکے۔

اس مسئلہ پر خاموشی اور فراریت یا آرڈیننس کی مجرمانہ تائید سے صرف دو باتیں حاصل ہوں گی۔ ایک یہ کہ مسلم یونیورسٹی کے مخالفین کا حوصلہ بلند ہو جائے گا اور وہ یہ سمجھ لیں گے کہ یہ ایسا "لقمۂ تر" ہے جسکو نہ صرف آسانی بلکہ پوری لذت کے ساتھ چبایا اور ہضم کیا جا سکتا ہے،

دوسرے یہ کہ مسلمانوں میں سخت مایوسی اور بددلی پھیلے گی اور وہ یہ محسوس کرینگے کہ اب انکی عظیم علمی متاع اور میراث خطرہ کی زد میں ہے اس کے علاوہ اس کا ایک فائدہ بھی ہے، اس رویہ سے حکومت کے بعض لوگ خوش ہو جائیں گے بعض لوگوں کی پوزیشن مستحکم ہو جائے گی کچھ کو ترقی ہوگی اور وہ عافیت کی زندگی گزار سکیں گے،

اب اگر یہ فائدہ ان نقصانات کے مقابلہ میں ان حضرات کو زیادہ عزیز ہے تو پھر وہ شوق سے اپنے راستہ پر گامزن رہیں لیکن اگر ان کا ضمیر اور ان کے دل کی گہرائی سے اٹھنے والی آواز جسکو وہ بھلانا اور چھپانا چاہتے ہیں، کبھی کبھی پرسکون لمحات میں انکو پریشان کرتی ہے اور ان کے پہلو میں چٹکیاں لیتی ہے تو ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ نبض سست ضرور ہے لیکن دل اب بھی دھڑک رہا ہے اور زندگی کی اس پوری طرح باقی ہے اور ہو سکتا ہے کہ وقت کا ایک انجکشن ان کے رگ و پے میں زندگی کی ایک تیز رو دوڑا دے، وہ پردہ ان کی نگاہوں سے اٹھا دے جس کی وجہ سے حقیقت کی صحیح تصویر ان کو نظر نہیں آ رہی ہے۔

ان کو یہ سوچنا چاہئے کہ مسلم یونیورسٹی کے بعد پھر کون سا ادارہ ایسی دست درازی سے محفوظ رہ سکتا ہے اور کب تک ان "نیک ارادوں" کا مقابلہ کر سکتا ہے؟

ان کو محسوس کرنا چاہئے کہ مسلم یونیورسٹی پوری ملت کی بیش قیمت امانت ہے اور اس کا تعلق ہر ادارہ اور جماعت اور ہر مسلمان فرد سے ہے، اس کی اچھائی اور برائی صرف اسی تک محدود نہیں ہے، پوری ملت اسلامیہ بلکہ پورا ملک اس سے متاثر ہوگا۔ ہماری تاریخ کے قدموں کی رفتار پر اس کا اثر پڑے گا۔ اور مستقبل کی تصویر پر اس کی چھاپ ہوگی۔ اس سے یہ معلوم ہوگا کہ ہمارے قدم صحیح سمت کی طرف بڑھ رہے ہیں یا غلط سمت کی طرف، ہمارے اندر عزم و ہمت اور صحیح فیصلہ کرنے کی جرأت و صلاحیت موجود ہے یا مفقود؟ یہ اس بات کا خاموش اظہار ہوگا کہ ہم اپنے لئے اس ملک میں کونسی زندگی چاہتے ہیں اور ہماری "کمزور صحت" کہاں تک جا سکتی ہے؟

مسلم یونیورسٹی مسلمانان ہند کی تاریخی و آئینی جدوجہد کا آخری محاذ ہے جس پر ان کی ساری قوتیں اور صلاحیتیں مرکوز ہو جانی چاہئیں، اور ان کو مسلک و رجحان اور طرز تعلیم کے اختلاف کے باوجود سارے مسلمانوں کے لئے انسانیت و جمہوریت کیلئے اور اس ملک کو بدنامی اور انتشار سے بچانے کے لئے سراپا احتجاج بنجانا چاہئے، اور کھل کر اپنی ناگواری کا اظہار کرنا چاہئے۔

آخر جس ملک میں مسلمانوں کو دھکے دے کر پاکستان بھیجدینے اور ان کی تہذیب و ثقافت کے نشانات کو کھرچ کھرچ کر مٹا دینے اور مسخرہ پن کی حد یہ ہے کہ تاج محل اور قطب مینار کو ہندوؤں کی تعمیر بتانے کی باتیں علی الاعلان کی جاتی ہیں، وہاں ہم مسلمان مسلم یونیورسٹی کے اسلامی کردار کو باقی رکھنے کے لئے اپنی مرضی سے اسکے انتظامی ڈھانچہ کی تشکیل کا نام لیتے ہوئے اس قدر کیوں گھبراتے ہیں۔

اگر ہم اس معاملہ میں یہ رویہ اپنالیں اور اس ثابت قدمی اور جرأت کا مظاہرہ کریں جو کسی آخری محاذ پر کیا جاتا ہے، تو اس کے نتیجے بھی دو نکل سکیں گے۔

ایک یہ کہ یونیورسٹی کے تمام مخالفین خواہ وہ حکومت کے اندر ہوں یا باہر مسلم ہوں یا غیر مسلم اچھی طرح محسوس کر لینگے کہ یونیورسٹی کی اسلامی حیثیت کو ختم کرنے سے پہلے انھیں ان کروڑوں مسلمانوں کا خاتمہ کرنا ہوگا جو اس کے لئے سینہ سپر ہیں نیز حکومت یہ محسوس کرنے پر مجبور ہوگی کہ اس آرڈیننس سے وہ کروڑوں انسانوں کی ہمدردی کھو کر ان کی نفرت و عداوت مول لے رہی ہے اور اپنے لئے مستقل دردسر کا سامان کر رہی ہے۔

مسلمانوں پر اس کا ردعمل یہ ہوگا کہ وہ یہ سمجھینگے کہ وہ اس ملک کے باعزت اور با اختیار باشندے ہیں جو اپنے حقوق کے لئے لڑ سکتے ہیں اور پوری جرأت کے ساتھ اپنے معاملات کی وکالت کر سکتے ہیں وہ اپنی پسند کے ادارے قائم کر سکتے ہیں اور اس کو اپنی مرضی کے مطابق چلا سکتے ہیں۔ اس سے اس جرأت و قوت ارادی کے علاوہ جو قدرتی طور پر مسلمانوں میں پیدا ہو جائیگی ان میں اعتماد اور خوشدلی بھی پیدا ہوگی، وہ خلیج کم ہوگی جو ان کے اور حکومت کے درمیان پیدا ہو گئی ہے، اور اگر حکومت نے عقلمندی اور دوراندیشی سے کام لیا اور یہ محسوس کیا کہ اب گیند اس کی طرف ہے اور اس کے قدم صحیح سمت کی طرف بڑھے ... تو وہ خلیج ہمیشہ کے لئے ختم ہو سکتی ہے اور باہمی تعاون و اعتماد کا وہ تابناک دور شروع ہو سکتا ہے جس کی تمنا قوم پرور رہنماؤں نے ہمیشہ کی ہے۔

یہ آرڈیننس آزمائش ہے مسلمانوں کی جرأت اور عزم و ارادہ اور شعور و جذبہ کی، حکومت کی دوراندیشی معاملہ فہمی اور ظرف کی اور انصاف و جمہوریت کے دعوؤں کی، انسانی ضمیر و حق و صداقت کی۔

لیکن اس میں سب سے پہلا کردار مسلمانوں کو ادا کرنا ہے اور انھیں کے کردار اور رویہ پر دوسری تمام چیزوں کا انحصار ہے۔

ضروری
براہ کرم ہر قسم کی خط و کتابت یا شکایت کے موقع پر اپنے خریداری نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولئے
منیجر

ایک اہم تاریخی
حقیقت

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

۲

ہندوستان میں مسلمانوں کی طویل حکومت اور ان کی بالاتری کا سبب محض ان کی فوجی طاقت اور ملکی انتظام نہ تھا بلکہ ان کی ممتاز دماغی صلاحیت اور ان کا ذہنی، علمی اور روحانی تفوق بھی تھا، جو زندگی کے ہر گوشہ میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

تقریباً بارہویں صدی سے مسلمانوں کا عام ذہنی اور علمی انحطاط شروع ہوا یا زیادہ صحیح الفاظ میں جو ذہنی اور علمی انحطاط عرصے شروع ہو چکا تھا وہ نمایاں طور پر نظر آنے لگا، اگرچہ وقتاً فوقتاً اس صدی میں بلکہ اس صدی کے بعد تک بعض ممتاز شخصیتیں پیدا ہوتی رہیں مگر عمومی طور پر علوم و فنون اور سیاست و انتظام ہر شعبہ میں آدمیوں کا بھی اور تصنیفات کا بھی معیار پست ہو گیا، صاحب تحقیق و صاحب اجتہاد ماہر فن اور مصنف پیدا ہونے بند ہو گئے۔ بجائے اصل کتابوں کے اہل علم کی ذہانت متون کی شرح و تحشیہ، بجائے اصولی مسائل کے جزئی مباحث اور دور دراز کا وسائل میں صرف ہونے لگی، سارا ہندوستان، ایران کے دور انحطاط کے متن نویسوں اور شرح نگاروں کا زلہ خوردہ تھا۔ کتاب و سنت کے شفاف اور ہر دم تازہ چشمہ کے بجائے جس نے عرب جیسی مردہ اور ناخواندہ قوم کو علم و تہذیب کے معراج پر پہونچا دیا تھا، یونان کے متروکات بے جا مفروضات اور لفظی موشگافیوں کا طلسم ناخوں پر قائم تھا، وہ حقیقت پسندی، سلامت فکر اور علمی قوت جس کی بنا پر عربوں کی رومیوں اور ایرانیوں پر فوقیت حاصل تھی، رخصت ہو چکی تھی اور وقت پسندی، احتمال آفرینی، رکیک نگاہی پورے نظام تعلیم اور اس کے اثر سے نظام زندگی میں سرایت کر چکی تھی عالم اسلامی میں ایک عام ذہنی و علمی انحطاط نظر آتا تھا اور ایشیا میں کسی ملک و قوم میں نئی زندگی کے آثار دماغی بلندی اور فکری تازگی کی علامتیں نظر نہیں آتی، سارا عالم اسلام جو ایشیا کی ذہنی و علمی قیادت کر رہا تھا سوائے ترکی کے جو یورپ میں واقع تھا، تھکا تھکا اور بجھا بجھا سا نظر آتا تھا، مسلمان اگرچہ یورپ کو چھوڑ کر" اپنی تمام ہمسایہ قوموں اور ملکوں سے زیادہ ذکاوت اور دماغی صلاحیت کا مظاہرہ کرتے تھے اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ اپنے غیر مسلم معاصرین کے مقابلہ میں اسوقت بھی زیادہ ذہانت اور علمی صلاحیت کے مالک تھے اب بھی ان میں جوہر قابل پیدا ہوتے رہتے تھے اب بھی جب وہ کسی علم و موضوع کی طرف سنجیدگی کے ساتھ توجہ کرتے تھے تو اپنی دماغی صلاحیت کا ثبوت دے دیتے تھے لیکن یہ واقعہ ہے کہ ذہنی و علمی انحطاط عالم اسلام کا ایک عمومی و قومی حادثہ تھا جس میں بہت کم استثناء کی گنجائش ہے۔

اس کے بالمقابل یورپ جوش و ولولہ اور بڑے ساز و سامان کے ساتھ علم و تجربہ کے میدان میں آ گیا تھا، اس کے سینہ میں نئی زندگی اور تازہ فکر کے چشمے ابل رہے تھے، اور وہاں اقبال مرحوم کی زبان میں "اروں کی گردش تیز اور دل ہر ذرہ میں غوغائے رستاخیز" بلند تھا، علم کے ہر میدان میں وہ تازہ دم حاضر دماغ اور مستعد تھا، وحی و نبوت کی تعلیمات اور ان سے ماخذ علوم و حقائق تک تو اس غریب کی دسترس نہ تھی کہ اپنا سرمایہ تو وہ صدیوں پہلے کھو چکا تھا اور اسلام کے سرمایہ کی طرف اس کو اپنے مذہبی تنفر خام خیالی اور کچھ قومی تعصب و نخوت کی بنا پر توجہ نہیں تھی، باقی ہر علم و فن میں وہ دماغی کاوش سے کام لے رہا ہے، تجربی علوم، ریاضیات و طبعیات کے انہماک اور منطق و فلسفہ سے بیزاری نے اس میں واقعیت پسندی اور مسئلہ کے عملی پہلو پر توجہ کی عادت پیدا کر دی تھی یہ تھا وہ یورپ جو پہلے تھکے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کا واسطہ پڑا یہاں اس کے مقابلہ میں ایرانی نظام تعلیم اور وہ سیاسی عنصر تھا جو دربار دہلی کی سیاست پر حاوی اور ذہانت و دیانت دونوں سے عاری تھا سیاسی میدان میں صرف ایک شہسوار تھا جو حالات کا مقابلہ کر سکتا تھا اور وہ نظام الملک آصف جاہ کی ذات تھی لیکن ایرانی جوڑ توڑ اور دربار دہلی کی ناقدری نے اس کا دل توڑ دیا اور وہ مرکزی میدان سیاست سے کنارہ کش ہو چکا تھا ایرانی عنصر نے روہیلوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور نجیب الدولہ و حافظ رحمت خاں سے بھی میدان خالی کرا لیا تھا، آخر کار یورپ کا سیاسی تدبر ہندوستان کی بے تدبیری اور ناعاقبت اندیشی اور اس کا نظم و اتحاد یہاں کی بے نظمی اور پراگندگی پر غالب ہوئی یہ دراصل یورپ کی دماغی فتح تھی جو اس نے ہندوستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں حاصل کی۔

۱۸۵۷ء میں ہندوستانیوں نے مسلمانوں کی قیادت میں ایک بار پھر جنبش کی اور انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی، یہ کوشش بھی ناکام رہی اور باقاعدہ انگریزی حکومت قائم ہو گئی، یہ انقلاب مسلمانوں کی حکومت فکر یہ اور فہم و فراست کا امتحان تھا، اب مقابلہ انگریزوں کی سنگینوں اور توپوں سے نہ تھا بلکہ نئے دینی و علمی رجحانات نئی خواہشات و ضروریات، نئی تعلیم و تہذیب سے تھا، اگر مسلمانوں میں اجتہاد کی قابلیت، ذہنی برتری، فکری استقلال، اور ایسا مرتب و مدون نظام تعلیم ہوتا جس میں ان خصوصیات کے ساتھ جو دین و علوم نبوت کا نتیجہ ہیں اور جن میں کوئی ایسی قوم شریک نہیں جو نبوت کی تعلیمات و حقائق سے محروم ہو چکی ہے بدلتے ہوئے زمانہ کی مناسب و معتدل رعایت ہوتی اور زمانہ کے جائز و فطری تقاضوں کی تسکین کا سامان ہوتا، جو علوم کے خدا ناشناس اور آخرت فراموش ضمیر کو بدل کر اور ان کی قلب و روح کو پاک کر کے ان کو خدا شناس علوم میں تبدیل کر دیتا انھیں اصل دین پر قائم رہتے ہیں چنانچہ ان کی سی سختی اور سنگینی ہوتی اور ذہنی و علمی ترقی کرنے میں شاداب درختوں کا سا نشو و نما ہوتا، اس انقلاب و ایک اہم شعوری و ارتقائی تحریک میں تبدیل کر سکتے تھے اور اس گری ہوئی آبشار سے وہ قوت کہربائی پیدا کر سکتے تھے جو ان کے بہت کام آتی۔

لیکن گذشتہ ذہنی و علمی انحطاط کی بنا پر وہ ایسا نہ کر سکے، نہ تو ان کے قدیم نظام تعلیم میں داخلی

کو منظم کرنے اور دلوں کو گرویدہ بنانے کی قابلیت تھی اور نہ ان کے ذہن میں نئے نظام تعلیم کے مرتب کرنے کی صلاحیت، ان میں سے ایک گروہ نے یورپ کے اسی نظام تعلیم کو جوں کا توں قبول کر لیا جس میں مادہ پرست منکر خدا یونان و روما کی علمی روح سرایت کئے ہوئے تھی اور جس کے قلب و دماغ دونوں کافر تھے اور جو صرف معاشی جانور پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا انھوں نے اس میں ترمیم کرنے کی اور اس کو اپنے حسب حال بنانے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی، ہندوستان کے علاوہ کسی دوسرے اسلامی ملک نے بھی اس موقع پر کسی اجتہاد اور فکری استقلال کا ثبوت نہیں دیا بلکہ اتنی بھی دماغی سنجیدگی اور اعتدال کا مظاہرہ نہیں کیا جو ہندوستان میں دیکھنے آیا، نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ تمام اسلامی ممالک کے ذہن اور قوائے فکریہ پر چھا گیا اور زندگی کے تمام شعبوں بلکہ سرچشموں پر حاوی ہو گیا آج اسلامی ممالک اسی کے دماغ سے سوچتے ہیں اسی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اسی کی اصطلاحات میں بولتے ہیں معاشرت و اخلاق اور عادات و اطوار میں اسی کے نقش قدم پر چلنا اپنے لئے معراج ترقی سمجھتے ہیں، دنیا کی رہبری اور یورپ کی رہنمائی کرنا تو الگ رہا ان میں اس کے نظام معاشرت و اخلاق اور نظام حکومت و سیاست پر ادنیٰ تنقید کی بھی قابلیت نہیں ہے جن ممالک سے اس کی زیادہ توجہ کی جانی چاہئے تھی وہ اسی قدر اس کے سحر سے مسحور اور اس کی تقلید کے نشہ میں مخمور ہیں، ترکی نے ایک مدت تک عالم اسلام کی قیادت و امامت کی ہے اور یورپ کے مقابلہ میں محاذ قائم رکھا ہے، آج یورپ کے ایک عقیدت مند مرید اور ایک سعادت مند شاگرد سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں، ترکی کے محکمۂ اطلاعات نے اپنے ملک کی عورتوں کی ترقی اور مردوں سے پیش قدمی سے متعلق جو تازہ معلومات شائع کئے ہیں ان میں دکھایا گیا ہے کہ جدید ترکی کی خواتین زندگی کے تمام راستوں پر مردوں سے آگے جا رہی ہیں، انتخابات طارمقوں، ہوابازی اور اس سے بڑھ کر رقاصی، ڈراموں کی تمثیل، موسیقی اور فنون لطیفہ میں وہ مردوں سے پیش پیش ہیں،

مصر و ایران براہ راست یورپ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔ پاکستان میں جس طبقہ کے ہاتھ

میں اس وقت ذہنی و سیاسی باگ ہے وہ ذہنی و علمی طور پر اسی سانچہ کا ڈھلا ہوا ہے جو ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کی نسل جدید کی تشکیل کے لئے بنایا گیا تھا، ہندوستان کے دیندار طبقہ کا ذہن اب اس منزل پر نہیں ہے جو اس کے اسلاف نے بدعت کی تحریک کے مقابلہ میں اختیار کی تھی اور زندقہ والحاد و تحریف کے بارہ میں اس میں وہ ذکاوت حس باقی ہے جو اس کے اسلاف میں تھی بہت سے محظورات شرعی مباح کے درجہ میں آ گئے ہیں، تصویر کشی اور اس کے خرید و فروخت کی شناعت اس درجہ کم ہو گئی ہے کہ غیر مسلم سیاسی رہنماؤں کی طرح علماء و بزرگان دین کی تصویریں اور مصور جنتریاں شائع کی جاتی ہیں اور ذمہ دار اخبارات کو اس کی تعریف و تشہیر میں بھی باک نہیں ہوتا، عرب ممالک اپنا مقام چھوڑ چکے ہیں، اور یورپ اور اس کے مقلد ممالک کی طرف رشک و حسرت سے دیکھتے ہیں، مغربی افکار مغربی تصورات جیا(؟) مادی اقدار ان کی زندگی پر چھا چکے ہیں، غرض ساری دنیا پر یورپ کا ذہنی و علمی استیلا ہے اور سارا عالم اسلام بلکہ عالم انسانی ذہنی طور پر اس کے سامنے ہتھیار ڈال چکا ہے۔

یورپ کے اس طلسم سے نکلنے کے لئے دین کا پیغام پہونچانے اور مسلمان کے مقام پر باقی رکھنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ عالم اسلام ذہنی و علمی طور پر پھر ابھرے، علمی و عقلی سطح اور دماغی قوت کے اعتبار سے وہ بلند ترین مقام حاصل کرے زندگی پر اثر ڈالنے والی اور زندگی کو از سر نو ڈھالنے والی طاقتوں اور وسائل پر قبضہ کرے علوم و افکار میں اجتہاد و تنقید کی قابلیت پیدا کرے اپنی تعلیم کا ایسا نظام مرتب کرے اور علوم و مضامین کو اپنے ایمانی و ذہنی سانچہ میں اس طرح ڈھالے کہ وہ لادینی نظام تعلیم کا مقابلہ کر سکے اور اس میں دماغوں کو جذب کرنے اور ان کو متاثر کرنے کی قابلیت ہو دنیا کے ذہن پر اور اپنی ہی قوموں پر اپنی ذہنی برتری اور علمی تفوق کا نقش قائم کرے۔

عالم اسلام کے ذہن و فراست کا ایک بار پھر امتحان ہے، اس وقت عالمگیر پیمانہ پر مادہ پرستی و شکم پروری کا جو سیلاب دنیا میں آ رہا ہے اور مختلف ممالک میں مقامی حیثیت سے نئے سیاسی تغیرات کے بعد جس انقلاب سے مسلمانوں کو واسطہ پڑ رہا ہے۔

غیر اسلامی اقتدار، غیر اسلامی تہذیب اور غیر اسلامی اثرات سے جو تصادم در پیش ہے اس سے نکلنے

اور معرکہ میں فتح حاصل کرنے اور کم از کم اپنی خصوصیات کو برقرار رکھنے کی صورت صرف یہ ہے کہ مسلمان اس دماغی صلاحیت، اس علمی قوت اس اخلاقی و روحانی فوقیت اور اس ضروری اجتہاد کا ثبوت دیں جو اس موقع پر ضروری ہے۔

اگر انھوں نے ایسا کر لیا تو ان کے دین اور ان کی مخصوص تہذیب کے لئے کوئی خطرہ نہیں، اور اگر وہ خدانخواستہ ایسا نہ کر سکے تو کوئی حفاظت، کسی قوم اور حکومت کی ضمانت اور کوئی تدبیر ان کو اس انقلاب کی زد سے بچا نہیں سکتی۔

بقیہ: عبدالحق محدث رح صنا کا

علماء حق کا تھا جوان کی حرکات و سکنات پر سخت نکتہ چینی کرتا تھا خصوصاً شیخ صاحبؒ نے نہایت شد و مد قوت و استقلال کے ساتھ اس غلط نظریہ کی تردید کی اور بتایا کہ اسلامی احکام ہر زمانہ و ہر قوم کیلئے یکساں ہیں، ان کے لئے زمان و مکان کی پابندیاں لایعنی ہیں اور اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس کے تمام احکام انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی افعال پر حاوی ہیں اکبر نے نبوت کا دعویٰ کیا قدم میں ہلچل مچ گئی عوام میں طرح طرح کے شکوک و شبہات شروع ہو گئے شیخ صاحب اس وقت میں کھڑے ہوئے ہیں اور انھیں نامساعد حالات میں ایک رسالہ تحریر فرماتے ہیں جس میں نبوت و سلطنت کے فرق کو واضح فرمائے ہیں، شیخ صاحبؒ نے مسلمانانِ ہند کے بکھرے ہوئے شیرازے کو درس حدیث کے ذریعہ منظم کیا اور ان میں دینی غور و فکر کی وہ صلاحیتیں اجاگر کر دیں، جنھوں نے مسلمانوں کے معاشرہ میں ایک نئی روح پیدا کر دی، حقیقت یہ ہے کہ سترہویں صدی ہجری میں مسلمانوں کی مذہبی سیاسی علمی سماجی اصلاحی کا سہرا شیخ عبدالحق صاحبؒ اور مجدد الف ثانیؒ کے سر ہے

اسلامی ہند کی فضائے علم و ادب میں کچھ تارے ایسے ہوتے جو آفتاب و ماہتاب بنکر چمکے ان میں شیخ صاحبؒ کو ایک مقام حاصل ہے، انھوں نے نصف صدی سے زیادہ علوم اسلامیہ کی ترویج و تدوین میں صرف کئے خاکساران کا قلم گوہر بار قرآن و حدیث کے اسرار و حکم کی کشف و تحقیق میں گہر افشانی کرتا رہا ان کا سب سے بڑا کارنامہ ترویج حدیث ہے دارا شکوہ نے بجا طور پر ان کو "امام محدث ثانی وقت" کہا ہے، شیخ صاحبؒ

(بقیہ ص ۱۶ پر)

خواجہ میر درد کی عارفانہ شاعری

مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی

ذوق زندہ ہو تو زندہ اور مردہ اشعار میں امتیاز کر لینا آسان ہے۔ زندہ اشعار ذوق کی بیداری اور دل کو زندگی بخشتے ہیں مردہ اشعار میں یہ بات کہاں؟ ان کی آبداری اور رنگینی دماغ کو تو لطف کا تحفہ دیتی ہے مگر دل کو حیات نہیں بخشتی۔

زندہ شعر زندہ دل سے نکلتا ہے اور دل کی زندگی درد کی رہین منت ہوتی ہے یہ درد اگر حقیقی ہے تو زندہ جاوید ہوتا ہے اور دل و صاحب دل درد کو ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

کا مصداق بنا دیتا ہے۔ مجازی فانی اور اس کے اثرات بھی فانی۔

درد جن کا اسم گرامی خواجہ میر تھا حقیقی درد دل کی دولت سے مالا مال تھے یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام زندہ اور ان کے درد دل کا عکاس ہے۔ شعر کیا کہتے ہیں حسین نشتر دل و جگر میں چبھوتے ہیں، یا برق پارے دل سے روح کو گرم و روشن کرتے ہیں، یا یوں کہئے کہ کلیجہ میں چٹکیاں لیکر محبت کا سبق پڑھاتے ہیں۔ ان کا اور میر تقی میر کا رنگ ایک ہی ہے اور ان کے نشتروں کی تعداد بھی میر کے نشتروں سے کم نہ نکلے گی، جگر تھام کے بیٹھئے اور نمونہ ملاحظہ فرمائیے ؎

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا

صیاد اب رہائی لے کیا مجھ اسیر کو
بیکس کو زندگی کی توقع بہار تک

ان بتوں نے نہ کی مسیحائی،
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

پھرتا ہے میری خاک صبا در بدر لئے
اے چشم اشکبار یہ کیا تجھ کو ہو گیا

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے
کس لئے آئے تھے اور کیا کر چلے
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس
تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے
شمع کی مانند ہم اس بزم میں
چشم تر آئے تھے دامن تر چلے

نوجوانی ہی میں عشق حقیقی کا خنجر سینہ میں پیوست ہو چکا تھا ان کے کلام کی دلدوزی اور درد انگیزی اسی زخم کی کاری کی رہین منت ہے، مگر ان کے یہاں صرف سوز و گداز، درد و الم اور شورش و بیتابی ہی نہیں ہے بلکہ محبت کے آداب و رموز، راہ عرفان کے آئین اور اس کی منزلوں کے نشانات بھی بکثرت پائے جاتے ہیں اس حیثیت سے وہ اردو کے خواجہ حافظ معلوم ہوتے ہیں، اگرچہ تحقیق مسائل فن کے اعتبار سے محقق شیرازی کا پایہ بلند ہے۔

میر تقی کے یہاں یہ باتیں کہاں؟ ان کے دل نے بھی عالم شباب میں ایک زخم لگایا تھا جو عمر بھر ہرا رہا، حوادث روزگار بھی اس پر تیزاب کے پھائے رکھتے رہے یہی وجہ ہے کہ میر صاحب جب اپنے دل کی ٹیسوں کو شعر کے قالب میں ڈھالتے ہیں تو سننے والوں کے دلوں پر بجلیاں گراتے ہیں، مگر وہ اسیر مجاز تھے اس لئے ان کے بیان وہ اسرار و حقائق کیسے مل سکتے ہیں جو صرف آشنایان حقیقت ہی کا حصہ ہیں۔

درد حقیقت آشنا ان کی شاعری سلوک و معرفت کا گنجینہ، احوال و مقامات کا آئینہ اور رہروان راہ حقیقت کی رہبر ہے، اس کا یہ جوہر تابندہ میر تقی پر انکی فوقیت و برتری کو نمایاں کر دیتا ہے۔ دیکھئے کس دلکش انداز میں محبت کی ترغیب دیتے ہیں؛

کیا فرق داغ و گل میں اگر گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

محبوب حقیقی کی بارگاہ بہت دور ہے اس کا قرب ہی مطلوب نہیں بلکہ اس کی طلب یعنی ان کی محبت خود بھی مطلوب و محبوب ہے کہ دل کی زندگی اسی سے عبارت ہے۔

راہ محبت آسان نہیں اس کی کڑیاں جھیلنے پر کس قدر موثر انداز میں آمادہ کرتے ہیں۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

کیا جامع شعر ہے جس میں ترغیب کے ساتھ رہنمائی بھی ہے یعنی جان کو بے قیمت سمجھنا اس دولت بے بہا کی قیمت ہے، پھر بھی سودے میں نفع ہی نفع ہے، جان دے کر بھی یہ قیمت مفت ہے

زاہدوں کی پگڑی اچھالنا، ان کے زہد اور ان کی عبادت و ریاضت کو بیکار قرار دینا شعرا کا عام شیوہ ہے لیکن درد عالم ربانی اور عارف باللہ زہد خشک کی قدر و قیمت سے بھی واقف ہیں۔ وہ زاہدوں پر پھبتیاں نہیں کستے بلکہ انھیں مشورہ دیتے ہیں

ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدان شہر
اے درد آکے بیعت دست سبو کریں

عبادت تو محبت جو بے روح ہونے کے باوجود عبادت قابل قدر ہے، اگر قالب نہ ہو تو روح کا مسکن کہاں ہوگا۔ اس لئے ترک زہد کا مشورہ دینے کے بجائے صلاح دیتے ہیں کہ اس قالب میں روح ڈالدو۔

سالک مبتدی بہت جوش و خروش اور ذوق و شوق کے ساتھ راہ حقیقت پر قدم زن ہوتا ہے مگر جس قدر حسن ہم قدس کے قریب ہوتا جاتا ہے، اور انوار معرفت دیدۂ دل کو روشن کرتے جاتے ہیں اسی قدر یہ حقیقت منکشف ہوتی جاتی ہے کہ میری عبادت و ریاضت کا تحفہ ہرگز اس بارگاہ عالی کے لائق نہیں، یہاں تک کہ ایک مقام پر پہونچکر اسے اپنے سرمایہ کی بے حقیقی اور اپنی ہیچ مدانی کا پورا انکشاف ہو جاتا ہے، اپنی عبادت بے ادبی، ریاضت بے طلبی اور محبت بے رغبتی نظر آتی ہے، دل ٹوٹ جاتا ہے اور ہمت جواب دے دیتی ہے، یہ مرحلہ بہت سخت ہوتا ہے اگر رہبر کامل تیرے تو سالک پار ہو جاتا ہے ورنہ اسی جگہ سے رجعت شروع ہو جاتی ہے، اور وصول سے محروم ہو جاتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس مقام سے گذرنا لازم ہے۔

دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

باب وصال اسی مقام پر کھلتا ہے اور یہی شگفتگی دیکھیں اب قرب و معرفت کی بلندی اس مقام کی طرف اشارہ کرتے ہیں

کدھر بیکسی پھرتی ہے اے بیکسی تو
تری حسن کا یاں خریدار ہوں

یہاں پہونچکر سالک کا آئینہ دل چکنا چور ہو جاتا ہے اور ایک عالم بیکسی و بے بسی اس پر طاری ہو جاتا ہے، ایسی آئینہ شکستہ میں تجلیات ربانیاں منعکس ہوتی ہیں اور یہی بے کسی و بے بسی رحمت الٰہی کو سالک کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ ترقی بصورت جذب شروع ہو جاتی ہے اور مرید مرادیت کے مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے

"کدھر بیکسی پھرتی ہے" کا فقرہ غیر محقق صوفیاء پر طنز ہے جو اس مقام پر پہونچکر گھبرا جاتے ہیں اور اس کا حق نہیں ادا کرتے، نتیجہ رجعت و تنزل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

لفظ "خریدار" طلب کی ضرورت بتانے کے علاوہ جو اس راہ میں پہلا قدم ہے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ جنس گرانمایہ مفت نہیں ملے گی بلکہ "احوال مواجید" کا سرمایہ جو سالک جنیدی کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہوتا ہے، اس کے عوض میں پیش کرنا ہوگا۔

کہاں عرفان حاصل ہونے کے بعد سالک اپنے مقامات عالیہ کے بیان سے عاجز ہو جاتا ہے، اس لئے کہ دل بے زبان ہے اور زبان بے دل، اس مقام کی تشریح کس لطیف پیرائے میں فرماتے ہیں۔

سرتاقدم زبان ہیں جوں شمع گو کہ ہم
پر یہ کہاں مجال کہ کچھ گفتگو کریں

آتش محبت میں ملطا الوادی معرفت سے منور ہونا۔ اظہار کا فطری شوق، اس کے ساتھ عالم مجبوری ان سب کی تصویریں ان دو مصرعوں میں کھینچدی گئی ہیں، زبان کو شمع سے تشبیہ دینا بلاشبہ حسن بیان کی روشن مثال ہے، عمر معرفت و سلوک کو دہ میں دیکھنا ہو تو مندرجہ ذیل شعر سنئے اور سر دھنئے۔

دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا!

رنج و الم کی کوئی حد ہے جس نے دل خوں کر دیا وہ بھی کم ہوتے ہوتے ایک قطرہ رہ گیا۔ آنکھوں نے پھر بھی صبر و ضبط سے کام نہ لیا، آخر وہ قطرہ بھی ضائع ہو گیا۔ "قطرۂ خوں تھا" کا فقرہ دل کی بے مائگی اور کمزوری کو کس بلیغ انداز میں ظاہر کر رہا ہے۔ شان فنا فی المحبوب استغراق، بے خودی اپنی ذات سے بے اعتنائی سب احوال عالیہ ایک چھوٹے سے فقرے "کہیں گرا ہوگا" سے ظاہر ہو رہے ہیں۔

زندہ دل کی افسردگی کا عالم بھی دیکھتے چلئے ؎
ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے کہ آرزو کریں،

دل کیوں نہیں رہا ہے اس لئے کہ محبوب کے قدموں پر نثار ہو چکا۔ ایک طرف دل کی شکستگی کا اہم انگیز منظر دوسری طرف مرتبہ فنا فی اللہ کی تفسیر زبان عرفان بتا رہی ہے کہ فنا فی اللہ ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ بندے کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادے میں فنا ہو جائے، ذات کا ذات ہی فنا ہونا مراد نہیں ہے جیسا کہ ناواقف سمجھتے ہیں ظاہر ہے کہ جب دل ہی اپنا نہ رہا تو کہاں کا ارادہ اور کیسی آرزو۔

خواجہ میر درد رحمۃ اللہ عالم ربانی اور عارف باللہ تھے، بائیس سال کا سن اور شباب کا عالم جسے جنون کا شعبہ کہا گیا ہے۔ مگر یہ مرد عاقل اس دور میں بھی اللہ سے غافل نہ ہوا بلکہ اللہ کی یاد میں دنیا سے غافل ہو گیا والد بزرگوار کا سجادہ سنبھالا، خالق کی طرف رخ کیا اور مخلوق سے منہ موڑا ؎

شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں
نے تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا

کم آموزوں کو یہ نکتہ بتا رہے ہیں کہ جس طرح تاج کی ہوس دنیا ہے اسی طرح "کلاہ مشیخت" کی طلب بھی دنیا ہے، رضائے الٰہی کے سوا ہر چیز "ماسوا" ہر جس کی طلب رہزن طریق ہے۔

جسے مشاہدہ حق کی دولت میسر ہو گئی اور جسکا دل یاد آخرت سے زندہ ہو گیا۔ اس کی نظروں میں غم دنیا یا مسرت ناسوتی کی وقعت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے،

کھلا دروازہ ہے کے دل پہ از بس اور عالم کا
نہ اندیشہ ہے شادی کا مجھے نہ فکر ہے غم کا

حوادث طرب خیز بھی ہوتے ہیں اور الم انگیز بھی مگر عارف کی نظر انہیں کس زاویہ سے ...... دیکھتی ہے

شادی کی اور غم کی ہے دنیا میں ایک شکل
گل کو شگفتہ دل کہو تم یا شکستہ دل

گل کی شگفتگی سے تو سب نے لطف اٹھایا مگر غریب کی شکستہ دلی پر کسی کی نظر نہ گئی، اسی کیلئے درد شکستہ دل کی عارفانہ نگاہ درکار تھی، جنکی شکستہ دلی پورے چمن عالم پر عالم شکستگی طاری کر دیتی ہے۔

کچھ دل ہی باغ میں نہیں تنہا شکستہ دل
ہر غنچہ دیکھتا ہوں تو ہے گا شکستہ دل،

سینۂ دل رنگ محبت سے چکنا چور ہو اور ساغر و مینا اس سے متاثر نہ ہوں، میکدے میں بھی عالم شکستگی نظر آ رہا ہے

ہاتھوں سے محتسب کے ہیں اب میکدے کے بیچ
ساغر شکستہ خاطر و مینا شکستہ دل

عارف کو مخلوق سے فی نفسہ کوئی تعلق نہیں ہوتا نہ دوستی کا نہ دشمنی کا، اسے حقیقت میں صرف خالق سے تعلق ہوتا ہے، ماسوا سے اگر تعلق ہوتا ہے تو خالق ہی کے واسطے سے نہ کہ ذاتی۔ یہی وجہ ہے کہ مخلوق سے اسے گرانی نہیں ہوتی اور ان کی ایذا رسانیوں کو، خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتا ہے لیکن جو مخلوق محب و محبوب کے درمیان حجاب بنکر حائل ہو جائے اس سے عارف کی سخت گرانی ہوتی ہے۔

اوروں سے تو گرانی یک لخت اٹھ گئی تھی
اے درد اپنے دل کے گر بار ہیں تو ہم ہیں

اپنی خودی کا حجاب بنتی ہے اس لئے اپنے نفس سے گرانی اور اسکے وجود سے ناگواری ہے۔

"فنا فی اللہ" کی شان کو آپ نے دیکھی بقا باللہ کی سیر بھی کر لیجئے۔

باغ جہاں کے گل ہیں یا خار ہیں تو ہم ہیں
گر یار ہیں تو ہم ہیں اغیار ہیں تو ہم ہیں
دریائے معرفت کے دیکھا تو ہم ہیں ساحل،
گرداب میں تو ہم ہیں اور پار ہیں تو ہم ہیں

سیر اسماء و صفات کے وقت کبھی سالک میں شان تنزیہ کا انعکاس ہوتا ہے۔ اس حالت میں رفعت کی ترجمانی کیسے پاکیزہ انداز میں کرتے ہیں۔

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

شان بقا اور شان فنا دونوں کا جامع ہونا کامل شیخ ہونے کے لئے شرط ہے اس مقام عالی پر فائز ہو کر فرماتے ہیں۔

دونوں عالم سے کچھ پرے ہے نظر
آہ کس کا دل و دماغ ہوں میں

حضرت خواجہ میر درد ایک بڑے درجہ کے عالم دین اور صاحب تصنیف و تالیف تھے، تذکرہ گل رعنا میں متعدد تصانیف کا تذکرہ ہے جن میں اسرار الصلوٰۃ واردات درد۔ علم الکتاب، خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان میں واردات درد ایک مجموعہ ہے جسمیں ایک گیارہ رسائل ہیں۔

۲۴ صفر ۱۱۹۹ھ میں وفات پائی رحمۃ اللہ قدس سرہ۔

سنت کی تشریعی حیثیت

محمد تسخیر حسن .... صدیقی ندوی

شریعت میں سنت کا جو مقام ہے اس سے معمولی علم رکھنے والا انسان بھی بخوبی واقف ہے اور اس حقیقت کو خوب سمجھتا ہے کہ بغیر سنت کے شریعت اسلامی کے کسی پہلو کو بھی واضح کرنا ممکن نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں تمام علماء امت متفق ہیں۔ اگر کسی نے کوئی اختلاف بھی کیا تو وہ بعض جزئیات میں ہے جیسا کہ ہم آگے چلکر واضح کرینگے۔

لیکن زمانہ کی نیرنگیاں دیکھئے کہ اب ایسے کچھ فہم بھی پائے جانے لگے ہیں جنہوں نے سرے سے ذخیرۂ حدیث کا انکار ہی کر دیا اور صرف قرآن کریم پر شریعت کی بنیاد رکھی' اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے اس پر ایسے مہمل و لغو دلائل جمع کر دیئے جن کا .... بنظر غائر مطالعہ کرنے سے حقیقت واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے، اور ان جال سازوں کا مکر و فریب بے نقاب ہو جاتا ہے۔

ذیل میں ہم سنت کی تشریعی حیثیت پر بحث کرینگے۔

قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، وہ اپنے اندر احکامات لے کر بھیجے ہوئے، لوگوں کو راستہ دکھانے کے لئے اترا، وہ حکم و مصالح، قصص و روایات، ترغیب و ترہیب سے پر ہے، اس میں ہر ضرورت مند کے لئے احکام موجود ہیں۔

لیکن کیا وجہ ہے کہ قرآن کے اتنے ہمہ گیر اور متنوع ہونیکے باوجود شریعت کے احکام کو سمجھنے کیلئے ہمیں سنت کی طرف ہی رجوع کرنا پڑتا ہے، نماز کی تفصیلات و کیفیات کا علم ہمیں سنت سے ہی ہوا، زکوٰۃ کے بارے میں ہمیں سنت سے ہی یہ معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کتنے مال پر کتنی دی جائے؟ اسی طرح زکوٰۃ اور حج کی تفصیلات نیز شریعت کے اور دوسرے امور میں ہم سنت کے ہی محتاج ہیں!

اب اسے حدیث اور اقوال صحابہ کی روشنی میں بھی ملاحظہ فرمائیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ رضہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کیف تقضی	جب تمہارے سامنے کوئی
اذا عرض لك	معاملہ آئے گا تو تم کیسے فیصلہ
قضاء؟ قال	کروگے؟ کہا اللہ کی کتاب
بکتاب اللہ،	سے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم
قال فان لم	نے فرمایا پس اگر تم نہ پاؤ
تجد قال	کہا رسول اللہ کی سنت سے
بسنة رسول اللہ	فرمایا پس اگر تم نہ پاؤ
صلی اللہ علیہ	کہا
وسلم قال فان لم	اپنی رائے سے اجتہاد
تجد قال اجتهد	کروں گا........
برائی۔	

کیا اس سے یہ بات واضح ہو کر سامنے نہیں آتی کہ شریعت کے معاملہ میں سنت کی طرف رجوع کئے بغیر کوئی چارہ نہیں' بلکہ اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سنت اس طرف بھی رہنمائی کرتی ہے، اور اس میں وہ باتیں بھی ہیں جو قرآن میں نہیں ہیں اتنی وضاحت کے بعد تو اب شک کی گنجائش نہ رہنی چاہیئے، لیکن پھر بھی اطمینان قلب کے لئے حضرت عمر رضہ کے اس خط کے الفاظ پر ایک نظر ڈالتے چلئے جو انھوں نے قاضی شریح کے پاس بھیجا تھا، پڑھئے اور غور کیجئے۔ وہ لکھتے ہیں:

اذا اتاك امر	جب تمہارے پاس
فاقض بما فی	کوئی معاملہ آئے پس فیصلہ کرو
کتاب اللہ،	جو کتاب اللہ میں ہے پس
فان اتاك بما	اگر آئے تمہارے پاس کتاب اللہ
لیس فی کتاب اللہ	میں نہیں ہے پس فیصلہ
فاقض بما سن فیه	کرو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت کیا۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

انظر ما تبین لك فی	دیکھو جو تمہارے لئے ظاہر
کتاب اللہ فلا	ہو اللہ کی کتاب میں پس
تسأل عنه احدا	نہ پوچھو اس کے بارے میں
وما لم یتبین لك	کسی سے اور ظاہر ہو تمہارے
فی کتاب اللہ ما تبع	لئے اللہ کی کتاب میں پس
فیه سنة رسول اللہ	پیروی کرو اس میں رسول اللہ
صلی اللہ علیه وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی

مذکورہ بالا روایات سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی، سنت شریعت اسلامی کا ایک لازمی جزء ہے، اور اس کی مزید تائید خلفاء راشدین و صحابہ کرام و تابعین عظام اور تبع تابعین اور جمہور علماء کے اقوال و افعال سے بھی ہوتی ہے۔

لیکن معترض حضرت معاذ رضہ کے اثر کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہے کہ قابل قبول نہیں ہے۔ لہذا اس سے استشہاد کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ امام ترمذیؒ نے اس کے بارے میں یہ الفاظ درج کئے ہیں جو جامع ترمذی میں موجود ہے۔

لا نعرفه الا من هذا	پس ہم اسے صرف اسی
الوجه واسناده	صورت سے جانتے ہیں اور
لیس بمتصل۔	اسکی سند متصل نہیں ہے

اور امام جوزجانیؒ تو اس سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں، اور اس روایت کو موضوعات میں شمار کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

هذا حدیث باطل	یہ باطل حدیث ہے، یہی
جاء باسناد لا یعتمد	سندوں کے ساتھ آئی ہے جن
علیه فی اصل من	پر اصول شریعت میں سے کسی
اصول الشریعة	اصل میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا!

معترض کے اس اعتراض کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور معاذ رضہ کے اثر کو اس دلیل سے شمار کرتے ہیں، لیکن غور کرنے کی بات ہے کہ کیا معاذ کے اثر کو تسلیم کرنے سے سنت کی تشریعی حیثیت میں کوئی فرق پیدا ہوتا ہے جبکہ اکابر صحابہ و تابعین کے اقوال و اعمال ہماری تائید میں موجود ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ سنت کی تشریعی حیثیت کا انکار عقلوں کے بے مصرف تصرف اور سلف کو اپنے لئے اسوہ نہ بنانے کا نتیجہ ہے، ورنہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ منکرین حدیث کا وجود بھی اس سرزمین پر ہوتا۔

(بقیہ صفحہ ۱۵ پر)

ہندوستانی مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ وزارت تعلیم کی کرسی پر نہیں کیا جا سکتا

(۱) جس قوم نے قوموں کی تقدیر بدلی تھی اُسکی تقدیر کسی ایک شخص کے حوالے کیسے کی جا سکتی ہے (۲) علیگڈھ کا مسئلہ دستور کی صداقت و عصمت کا امتحان اور انصاف جمہوریت کی آزمائش ہے

لکھنؤ کے احتجاجی جلسۂ عام میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کی اہم تقریر

۷ جون بروز جمعرات ساڑھے سات بجے شام گنگا پرشاد میموریل ہال میں آرڈیننس کے خلاف ایک زبردست احتجاجی جلسۂ عام منعقد ہوا۔

جلسہ کی صدارت منشی احترام علی صاحب معتمد مال ندوۃ العلماء نے کی، جلسہ نے ایک ریزولیوشن منظور کیا جس میں آرڈیننس کو واپس لینے اور مسٹر چھاگلا سے استعفیٰ دینے کا مطالبہ کیا گیا۔ جلسہ میں بہت سے مقررین نے حصہ لیا جس میں قاضی جلیل عباسی ایم ایل اے، مولانا محمد ہاشم فرنگی محلی، قاضی محمد عدیل عباسی، شیخ محمد منتصر اللہ اور دوسرے حضرات بھی شامل ہیں، سب سے آخر میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء نے حسب ذیل تقریر فرمائی۔ یہ تقریر عبد العلیم البستوی متعلم دار العلوم ندوۃ العلماء نے قلمبند کی۔ افسوس ہے کہ وہ قوت اور زور بیان جو تقریر میں تھا، نقل میں باقی نہ رہ سکا۔ ان کے شکریہ کے ساتھ یہ تقریر شامل اشاعت ہے۔

حضرات!

علیگڈھ کے مسئلے کے بارے میں تمام پہلوؤں پر بہت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی جا چکی ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ اب اس سلسلے میں کوئی نئی بات بتلانے کی نہیں رہ گئی ہے۔ میں صرف ایک چیز کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہندوستان کے کسی بھی انصاف پسند اور غیر فرقہ پرست مورخ سے یہ سوال کیا جائے کہ وہ کونسا تعلیمی و تہذیبی ادارہ ہے جس نے ہندوستان کے بسنے والوں کو نہ صرف تعلیمی اعتبار سے بلکہ تہذیبی اور جذباتی طور سے بھی متاثر کیا ہو۔ تو وہ اس بات کا اقرار کرنے پر مجبور ہوگا کہ یہ حیثیت صرف مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کو حاصل ہے میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کی تحریک آزادی کے بعد علیگڈھ تحریک سے زیادہ موثر کوئی اور تحریک وجود پذیر نہ ہو سکی، جس نے ہندوستانی عوام کو اس درجہ متاثر کیا ہو اس کی تاریخ سو برس سے زیادہ پرانی ہے، اس کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کا نہ صرف اعتقادی بلکہ جذباتی تعلق بھی ہے، انھوں نے اس پر اپنی بہترین قوت عمل اور ذہانت صرف کی ہے۔

کیا ایک ایسی تحریک کا جس کا حلقۂ اثر اتنا وسیع ہو، انجام یہ ہونا چاہئے کہ ایک آرڈیننس کے ذریعہ اس کی قسمت پر مہر لگا دی جائے، اور چند لمحوں میں اس کی موت اور زیست کا فیصلہ کر دیا جائے، ایک ایسا ادارہ جس کا ہندوستانیوں سے اس قدر گہرا تعلق رہا ہے اس کو ایک جنبش قلم ایک وسیع مجلس سے نکال کر ایک محدود دائرے میں تبدیل کر دیا جائے، دنیا کا کوئی قانون جسکا انصاف سے ادنیٰ تعلق بھی ہو اس کی اجازت نہیں دے سکتا، اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ جس سے انصاف کی توقع کی جا سکتی تھی وہ، وہ شخص ہے جسکی قانون پر گہری نظر ہو اور جو زیادہ سے زیادہ قانونی حیثیت رکھتا ہو لیکن سوئے اتفاق کہ جس شخص کے ہاتھوں آج علیگڈھ کا گلا گھونٹا جا رہا ہے وہ ایک ایسا شخص ہے جو ایک مدت تک قانونی دنیا میں رہ چکا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ اس بات کا امتحان ہے کہ ہندوستان میں سیکولرزم اور اقلیت کے حقوق کی کہاں تک پابندی کی جا رہی ہے، بلکہ مجھے تو اقلیت کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ جس قوم کی تعداد کسی ملک میں پانچ کروڑ ہو اس کو اقلیت نہیں کہا جا سکتا، یہ تو اکثریت کے مقابلے میں کہا جاتا ہے، ورنہ حقیقت ہے کہ آج دنیا میں کتنے مسلمان ممالک ایسے ہیں جن کی کل تعداد بھی پانچ کروڑ نہیں ہے یہ اس بات کا امتحان ہے کہ ہندوستانی حکومت اپنے دستور اور اعلانات میں کہاں تک سچی ہے، اسکو محض ایک اقلیتی ادارے کی حیثیت سے نہیں سوچنا چاہئے، یہ مسئلہ دراصل قانون کی صداقت اور سچائی کا امتحان ہے۔ میں یہاں یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ میں اور میرے قسم کے تمام لوگ جن کی تعلیم پر نظر ہو گی وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے اس ادارے پر اپنی بہتر سے بہتر توانائیاں، بہتر سے بہتر ذہانتیں اور بہتر سے بہتر قوتیں صرف کی ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ یہ خیال کریں کہ ان کے دل میں اس کا کوئی احترام نہیں ہے اور یہ جو مسلمان اپنے جذبات کا اظہار کر رہے ہیں یہ محض اس لئے کہ ایک تعلیمی ادارہ ان لوگوں کے ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ ایسے ادارے بہت ہیں اور بہت تھے۔

مسلمانوں کو علیگڈھ تحریک سے اس لئے دلچسپی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان کا ایک تہذیبی مرکز ہوگا اسکو ہندوستان کے جدید تعلیمی میدان میں ایک نمائندہ کی حیثیت سے شمار کیا جائے گا۔ اور اسی سے مسلمان یہ ثابت کرینگے کہ اسلام ایک ایسے ملک میں جسمیں ہر وقت ایک ذہنی کشمکش برپا ہے اور جہاں ہر وقت اقلیت و اکثریت کے مسائل الجھے رہتے ہیں کردار روا ہو سکتا ہے، اسی لکھنؤ میں علامہ شبلی نعمانی نے جب علیگڈھ کے مسئلے پر بحث ہو رہی تھی تو اس حقیقت کا اظہار اسی طرح کیا تھا کہ ؂

این سر رشتۂ تعلیم بادر دست ما باشد

یعنی جب ملت کی تعلیم کا فیصلہ کیا جا رہا ہے، اُسے اس کے ہاتھوں میں ہونا چاہئے کہ وہ کیا چاہتی ہے اور کس طرح کی نسل اور ماحول بنانا چاہتی ہے، اس کو اس سلسلے میں پوری آزادی ہونی چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ مسلمانوں کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے، تمام اقلیتی فرقوں کو اور خود حکومت کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارا ملک بہت تیزی سے خودکشی اور ہلاکت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہم نے ابتک بہت صبر و سکون سے کام لیا اور ان روز روز کے مسائل میں ہم نے اس سے پہلے بہت کم آواز اٹھائی اور اس

پر مسئلہ صرف ہندوستانی مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے، یہ قانون کی صداقت اور قوم کی ضمیر کا امتحان ہے، یہ جمہوریت اور سیکولرزم کے لئے ایک آزمائش ہے یہ مسئلہ طے کر دیگا اور شاید صدیوں کے لئے طے کر دے کہ ہندوستان میں سیکولرازم اور جمہوریت کا کتنا احترام باقی ہے اور اقلیت کے حقوق کو کس حد تک پورا کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ایک غلطی اور خاص طور سے سیاسی غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا......

......اسی طرح ایک قابل تعریف بات کی صدیوں تک تعریف کیجاتی ہے۔

یہ مسئلہ یہ ظاہر کر دیگا کہ ایک ایسی قوم جو اس ملک میں بڑے سے بڑے کام کر سکتی ہے اور کرتی رہی ہے اور جس نے اس ملک کی تعمیر میں اہم سے اہم کردار ادا کیا ہے اور کرتی رہے گی۔ کیا اسکو اپنے ایک ادارے پر بھی اختیار نہیں ہوگا، کیا کسی آئین و انصاف کی رو سے کسی ایک شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایک ملت کی سو برس کی تاریخ پر پانی پھیر دے۔ صرف ان میں نہیں

کہتا بلکہ سارے ہندوستان والے کہتے ہیں کہ اس برصغیر پر کوئی درسگاہ ایسی نہیں جس کو ایسی متنوع صلاحیتوں کے پیدا کرنیکا فخر حاصل ہو۔ صرف، ہندوستان نہیں بلکہ پورے ایشیا میں کوئی ایسی درسگاہ نہیں۔ علیگڈھ کو اس پر فخر ہے اور اور اس کو فخر کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، ایسی صورت میں خواہ کوئی وزیر ہو یا کمانڈر انچیف ہو یا کوئی ڈکٹیٹر ہو، کسی کو بھی یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ ایسے عظیم درسگاہ کے موت و حیات کا فیصلہ کر سکے اور جو ملت اس کو یہ حق دینے پر تیار ہو جاتی ہے اس کو جینے کا کوئی حق نہیں ہے

اس سے زیادہ غیر ذمہ دارانہ کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ ایک شخص ایک پوری ملت کا فیصلہ کرے خواہ وہ کوئی وزیر اعظم ہو یا صدر جمہوریہ ہو۔ بلکہ ہم تو اس بات کے عادی ہیں کہ ایک پیغمبر بھی جب کوئی قدم اٹھاتا ہے تو صحابہ سے مشورہ کرتا ہے، غزوۂ بدر میں حضورؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو ہم کو اس میں چون چرا کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور اگر نہیں تو پھر ہم اپنی رائے دے سکتے ہیں۔ ہم تو اس ماحول میں پلے ہیں کہ ہم نے کسی بڑے سے بڑے انسان کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ لاکھوں کی قسمت کا فیصلہ کرے۔ چھاگلا صاحب نے اب تک کوئی ایسا کارنمایاں انجام نہیں دیا کہ وہ حکومت اور قوم کے لئے باعث فلاح کہے جا سکیں، ہم ان کو یہ حق نہیں دے سکتے کہ وہ ان کو کیا ان سے کسی بڑے سے بڑے قائد کو بھی یہ حق نہیں دے سکتے کہ وہ ہمارے مستقبل کا فیصلہ کرے۔ چھاگلا صاحب کو یہ حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں

سے اتنے دور رہ کر، ان کے جذبات سے اس قدر ناواقف ہو کر ایک جنبش قلم سے ان کے مستقبل کا فیصلہ کر دیں، دنیا کا کوئی بھی انصاف پسند ایسا نہیں کر سکتا اور جب ایسا کیا گیا تو ملکوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ ہم یہ اعلان کرتے ہیں اور چھاگلا صاحب کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ملت اسلامیہ اس قدر مردہ نہیں ہو چکی ہے کہ وہ ہر حال میں خاموش تماشائی بنی بیٹھی رہے اور ہر قسم کا ظلم و ناانصافی برداشت کرتی رہے۔

یہ صرف علیگڈھ کا مسئلہ نہیں بلکہ ہندوستان کی جمہوریت اور سیکولرزم کا مسئلہ ہے، ہندوستان کے دستور اور آئین کا مسئلہ ہے کسی ملک کا دستور اس کی ضمیر ہوتا ہے جس کے پیچھے لاکھوں کروڑوں ملکیوں کی آواز ہوتی ہے، اگر آپ کے اندر ہمت ہو تو آپ اپنے عہدے اور کرسیاں چھوڑ کر یہاں آ جائیں اور اعلان کر دیں کہ ہندوستان کا دستور جھوٹا ہے اور اگر دستور جھوٹا ہے تو اس ملک کا ضمیر جھوٹا ہے اور وہ پوری قوم جھوٹی ہے۔

چھاگلا ہوں یا مرکز کے اور کوئی وزیر ہوں کسی کے اندر یہ طاقت نہیں کہ ہندوستان کی حق گوئی اور اس کے دستور میں تضاد کا اعلان کر سکے، یہ دستور تو مسلمانوں کو پورا حق دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مسلمان اپنا کوئی بھی ادارہ قائم کر سکتے ہیں، چہ جائیکہ اس ادارے کو چلا سکیں جو سو سال سے قائم ہے، ہندوستان کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی اس دستور کو جھٹلا نہیں سکتی، اور جو حق ہمیں دستور نے دیا ہے اسے چھین نہیں سکتی، علیگڈھ یونیورسٹی اقلیت کی ایک امانت ہے اگر یہ اقلیت اپنی سو برس کی تحریک سے محروم کر دیجاتی ہے تو اسکو باور کرنے کی ایک منظم سازش ہے لیکن اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ ہم اس طرح مسلمانوں کو خائف کر دیں گے اور وہ یہاں سے چلے جائیں گے تو ہم ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی بات کو سننے کیلئے تیار نہیں۔ ہمارے مذہب نے

(بقیہ ص ۱۶ پر)

ہندوستان میں حدیث کی خدمت
شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کا کارنامہ

(محمد منصور خاں نعمانی (بھوپالی) متعلم درجہ ہشتم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

یوں تو دہلی اور اس کے بطن سے ہزارہا اہل کمال نے جنم لیا ہے ہر صدی میں ایسے نفوس قدسیہ عالم وجود میں آئے جن کے فضل و کمال کا بہت شہرہ ہوا ۱۵۵۱ء یقیناً ایک سال نیک تھا قدرت نے ایک ایسی ہستی کو عالم وجود میں بھیج دیا جس نے اسلاف کی دیرینہ روایات کو بحال کر دیا۔ اس ہستی کا نام نامی عبد الحق تھا جس کے علم سے ہزارہا تشنگانِ علم نے اپنی پیاس بجھائی اور تا قیامت بجھاتے رہیں گے سرزمین ہند میں نیکی و ہدایت کا آفتاب ضوفگن ہوا اور خاک ہندوستان کے وہ ذرے جو جہل و کفر کی طغیانی کے باعث ماند پڑ چکے تھے دوبارہ چمک اٹھے۔

ہندوستان کی سیاسی و تمدنی تاریخ میں سولہویں و سترہویں صدی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس زمانہ میں اگر ایک طرف فرسودہ نظام سیاسی منہدم ہوا تو دوسری طرف فکر و نظر کے پرانے سانچے بھی ٹوٹ گئے، نئی نئی تحریکیں، منصۂ شہود پر آنے لگیں، مسلمانوں کے لئے بعض ہمدردانہ اور بعض معاندانہ تھیں، بہرحال جب متضاد نظریات سے مل کر[1] پرانے سماج کی بنیادیں ہل گئیں، اس ہمہمی کے عالم میں اسلامی سماج مذہب اور معاشرہ کو مختلف منزلوں سے گزرنا پڑا۔ اگر سولہویں صدی کی مختلف مذہبی تحریکوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس زمانہ کا سب سے اہم مسئلہ پیغمبر اسلام کا صحیح مقام متعین کرنا تھا امام کا تصور، عقیدۂ مہدویت، دین الٰہی یہ سب تحریکیں اسلام کے مخصوص مقام اور مرتبہ پر کسی نہ کسی طرح ضرور ضرب کاری کرتی تھیں، شیخ صاحب کا کارنامہ یہ کہ انھوں نے پیغمبر اسلام کے اعلیٰ و ارفع مقام کی پوری طرح وضاحت کر دی اور اس سلسلہ میں ہر گمراہی پر شدت سے تنقید کی۔

اکبر کا عہد ہندوستان میں دین ہی نہیں شریعت غرّا کی مظلومی کا عہد تھا، ملک میں شرک و بدعت کا دور دورہ تھا۔ علماء رسوائی کے ڈر سے زاویہ نشین ہو گئے تھے اس وقت شریعت اسلامی کس مپرسی کے عالم میں تھی، اس عرصہ میں کئی مذہبی تحریکیں وجود میں آئیں ان میں سے ایک شیخ عبد الحقؒ کی تحریک ہے جس کا مقصد مسلمانوں کی دینی فکر کو اس طرح بیدار کیا جائے جس سے اسلامی معاشرہ کو صحیح اصولوں پر منظم کرنے کا کام لیا جا سکے۔

اکبر نے اپنی غیر مسلم رعایا پر قابو پانے کے لئے جو طریقے اختیار کئے ان سے علماء میں کافی اختلاف پیدا ہوا۔ ایک طبقہ علمائے بد کا تھا جو سب سے زیادہ گمراہیوں میں تھی۔ اس طبقہ نے اجتہاد و بدعت حسنہ کے دلفریب عنوان اور صدہا گمراہیوں کے باب کھولے۔

ایک مکتوب میں شیخ صاحبؒ رقمطراز ہیں،

"اس زمانہ کے بیشتر علماء بدعت کو رواج دینے والے اور سنت کو مٹانے والے ہیں" اس زمانے کے علماء کو حب جاہ و مال نے اس قدر مسحور کر دیا تھا کہ وہ بادشاہ کی خوشنودی کے لئے ہر قسم کے شرعی فتوے دینے کے لئے تیار ہو جاتے، اکبر کو سجدہ کرنیکا فتویٰ قاضی خاں بدخشانی نے دیا، داڑھی منڈھوانے کی جھوٹی حدیث شیخ امان اللہ پانی پتی کے بھتیجے نے نکالی، فریضۂ حج کے اسقاط کا فتویٰ مخدوم الملک نے دیا۔ علماء بد کی اجتہادی سرگرمیوں کی وجہ سے مذہب بے جان ہو گیا تھا۔

اسوقت یہ خیال عوام میں چٹکی لے رہا تھا کہ اسلام کی مدت ایک ہزار سال تھی، اس مدت کے ختم ہونے کے ساتھ احکام اسلامی اور شریعت اسلامی کے اتباع کی ضرورت بھی ختم ہو گئی۔ دوسرا گروہ

آئینۂ دل

ذکی ایوبی ٹونکی

کس کی طلب میں خاک بسر ہے
دیکھ رہا ہے جلوۂ جاناں
دل کو مرے آئینہ بنا کر،
ذرہ ذرہ کون و مکاں کا
لاکھ ہجوم جلوہ گری ہو،
روپ انوکھے ڈھنگ نرالے
بکھرے پڑے ہیں جلوے ہی جلوے
دیکھئے کب اس در پہ پہونچ ہو،

دیوانے اپنی بھی خبر ہے
جس کو میری جلتی نظر ہے
محو تماشہ آئینہ گر ہے،
ایک چراغ راہ گزر ہے،
ایک ہی صورت پیش نظر ہے
حسن نہیں ہے شعبدہ گر ہے،
دیکھنے والو شرطِ نظر ہے
خاک جہاں کے کحل بصر ہے

چھوڑیئے اے دل فکر مداوا
درد ہی اپنا چارہ گر ہے

[1] آپس میں ٹکرائیں گے تو نئی نئی راہیں پیدا ہوں گی چنانچہ ایسا ہی ہوا مذہب کے نظریات

انٹرویو۔

مولانا محمد اویس نگرامی ندوی

شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

[illegible] نگرامی ندوی

اور پھر سحر ختم ہونے کی گھنٹی بج جاتی۔ اور تمام لوگ جلدی جلدی کلی کر کرا کے دوبارہ اپنے بستروں میں واپس چلے جاتے۔ تو مجھ کو بھائی جان[1] کی آواز سنائی دیتی ایک اتھاہ غم میں ڈوبی ہوئی، کبھی اشعار کی صورت میں تو کبھی نثر میں، بھائی جان کیا پڑھتے تھے اس کا علم مجھ کو نہیں ہو پاتا ضرور یاد ہے کہ بیچ بیچ میں سرور کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک بار بار آتا تھا، اور شدت تاثر سے آواز بھرائی ہوئی رہتی تھی۔ اس کیفیت کا اثر مجھ پر یہ پڑتا کہ باوجود سونے کی کوشش کے نیند دور ہی سے سلام کرتی۔ یہ تو تھا میرے بچپن کا تصور بھائی جان کے بارے میں۔ پھر جب میں ندوہ میں آ گیا اور قرآن مجید کا اسباق بھائی جان سے پڑھنے لگا تو محسوس ہوا کہ قرآن مجید نے جہاں اور بہت سے مضامین پر بحث کی ہے وہیں اس کا مقصود اصلی ہے انسان کا تزکیۂ نفس۔ اور اس کو بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونے کے لائق بنانا۔ قرآن مجید کے اس پہلو پر بھائی جان اتنا زور دیتے کہ دنیا باوجود اپنی جلوہ سامانیوں کے ایک بہت بڑا ویرانہ معلوم ہونے لگتی اور سچ بھی تو ہے جہاں ہزاروں قومیں آباد ہوئی ہوں اور مٹ گئی ہوں تو بھلا اس جگہ سے بڑا ویرانہ اور کون سی جگہ ہو سکتی ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کہیں جا کر بس جائے ...... اور قیامت و موت کا انتظار کرنے لگے، بلکہ بھائی جان یہ کہتے کہ مومن کا حال یہ ہونا چاہئے کہ دنیا سے پورا پورا فائدہ اٹھائے لیکن ہر وقت اسکو اس بات کا دھیان ہونا چاہئے کہ اس کی تخلیق کیوں ہوئی ہے اور اس کو کس کے سامنے حاضر ہونا ہے؟

تیسری چیز جس سے میں متاثر ہوا وہ ہے بھائی جان کا کثرت مطالعہ، دسمبر و جنوری کی ٹھنڈی راتیں ہوتی ہیں، رات کے دو بج جاتے ہیں اتفاقاً کہیں آنکھ کھل گئی تو دیکھا کہ بھائی جان الماریوں سے کتاب نکال سامنے رکھے ہیں۔ انہی علامہ سید سلیمان ندویؒ نے فرمایا تھا کہ اتنا پڑھو کہ اُبلنے لگے۔

بھائی جان کی زندگی کے یہ تین گوشے ایسے ہیں۔ جنہیں ہم تمام بھائیوں کے لئے بڑے سبق ہیں۔

ایک دن باتوں ہی باتوں میں میں نے دریافت کیا کہ۔

بچپن کا ماحول کیا تھا اور کن امور کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی تھی انھوں نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ میں نے ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولیں جو اپنے قرب و جوار کے بڑے علاقہ میں دین کا مرکز تھا، پورا ماحول دینی تھا، بدعات سے نفرت اور اتباع سنت کا ذوق خاندان کا طغرائے امتیاز تھے، بچپن ہی سے کان صلحائے امت کے ناموں سے آشنا تھے۔

مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مولانا اشرف علی تھانوی رہ اہل خاندان کی عقیدتوں کا مرکز تھے۔

صبح و شام گھر پر اہل تقویٰ جمع ہوتے تھے زیادہ تر دینی باتیں ہوتی رہتی تھیں، خلافت کی تحریک شباب پر تھی اور اپنا گھر اس تحریک کا مرکز تھا، مولانا عبد الباری فرنگی محلی، آنجہانی موہن لال سکسینہ، چودھری خلیق الزماں، مولانا ظفر الملک اور دوسرے اس وقت کے حضرات گھر پر آتے رہتے تھے، دوسری طرف شعر و شاعری کی محفلیں بھی ہفتہ میں ایک بار منعقد ہوا کرتی تھیں۔ اور ہم لوگوں کو اکابر شعراء کے سینکڑوں شعر زبانی یاد کرائے جاتے تھے، اسی طرح اپنے گھر ہی کے ماحول میں دینی سیاسی ادبی تربیت غیر شعوری طور پر ہوتی رہی۔

س۔ کن شخصیات نے اپنا اثر ڈالا، اور کن کتابوں سے زیادہ شغف رہا۔

ج۔ فخر کی بنیاد پر نہیں بلکہ شکر کے ساتھ یہ کہنے میں مجھکو کوئی تامل نہیں ہے کہ میری زندگی کی تعمیر میں بنیادی حصہ میرے والدین کا ہے۔ میری والدہ مرحومہ کی دینی معلومات اس قدر بہتر تھیں کہ خاندان کے تعلیم یافتہ مردان سے گفتگو کرنے میں تکلف کرتے تھے۔ ترجمہ قرآن مجید۔ مشارق الانوار۔ مظاہر حق نصیحۃ المسلمین، تقویۃ الایمان برابر ان کے مطالعہ میں رہتی تھیں، رات کو قصہ کہانیوں کے بجائے یہی چیزیں مجھ کو سنایا کرتی تھیں، ان کی تربیت کا ایک معمولی واقعہ آج تک مجھ کو یاد ہے۔

ایک مرتبہ مکتب میں کسی طالب علم کی پیتل کی دوات میں اٹھا لایا، گھر پہونچا تو والدہ مرحومہ نے دیکھکر تحقیق کی، اصل واقعہ معلوم ہونے کے بعد مجھ پر خوب مار پڑی گھر کے بھرے مجمع میں اور مکتب کے تمام طالب علموں کے سامنے جرم کا اقرار کرنا پڑا، جس طالب علم کی دوات تھی اس کو دوات واپس کر کے معافی بھی مانگنا پڑی۔

والد صاحب مرحوم کا علمی ذوق بہت بلند تھا، ان کے نظام الاوقات میں بڑا وقت مطالعے کا تھا، گھر کا کتب خانہ اچھا خاصا تھا ان کے مطالعہ کے ذوق کو دیکھکر ہم لوگ حیرت زدہ رہ جاتے، جب میری عربی کی تعلیم اتنی ہو گئی کہ میں عربی کتابیں پڑھ سکوں تو ان کی طرف سے اردو کتابوں کے مطالعہ پر پابندی ہو گئی، گو چوری چھپے یہ شوق بھی پورا ہوتا رہا میرے دادا حافظ مولانا ادریس صاحبؒ کی وصیت تھی کہ جب میرے خاندان کے لڑکے کچھ عربی سمجھنے کے لائق ہو جائیں تو سب سے پہلے ان کو احیاء علوم الدین کا مطالعہ کرایا جائے، اس وصیت کے بموجب والد صاحب نے احیاء پڑھنے کو دی اس کتاب نے مجھکو اتنا متاثر کیا کہ دن و رات میرے ساتھ رہی اور اس کی حکمت اب تک دل و دماغ پر قائم ہے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے درجات عربیہ میں جیسے جیسے تعلیم بڑھتی تھی میرے مطالعہ کتب کا معیار بھی والد صاحب مرحوم کی رہنمائی میں ترقی کرتا جاتا

[1] میں والد صاحب کو بھائی جان کہتا ہوں۔

تھا شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیم رہ، حافظ ابن حنبلیؒ، قاضی شوکانی رہ، علامہ اسماعیل یمنی رہ، حضرت مجدد الف ثانی رہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رہ سے والد صاحب مرحوم نے ایسا تعارف کرایا کہ اب میرے دل و دماغ پر انھیں بزرگوں کی حکمرانی ہے۔

مخدومی ڈاکٹر عبد العلی رہ کے مشورہ کے مطابق حضرت مدنی رہ کی خدمت میں چند دنوں رہنے کی توفیق ہوئی جہاں زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا اور یہ بات پورے یقین کے ساتھ سامنے آئی کہ حیات انسانی کا اصل مقصد ربط حق اور تعلق مع اللہ ہے۔ اور انسانی سکون آخروی فلاح کا یہی ایک راستہ ہے، حضرت مدنی رہ نے مولانا قاسم نانوتوی رح کی کتابوں کے مطالعہ کی ہدایت فرمائی نیز حضرت شاہ اسماعیل رہ کی صراط مستقیم پڑھنے پر کافی توجہ دلائی ندوہ کے زمانہ طالب علمی میں مولانا حفیظ اللہ رہ مولانا سید علی زینبیؒ، مولانا شبلیؒ، مولانا حیدر حسن خانؒ کر علمی وقار اور باجبر زندگیاں برابر متاثر کرتی رہیں مولانا حیدر حسن خاں صاحب رہ کے۔۔۔ صحبت کی یادیں اب تک قائم ہیں، مولانا کے فیض صحبت کی وجہ سے حدیث کی طرف طبیعت کا رجحان رہا۔ میرے مخدوم ڈاکٹر عبد العلی کی خواہش تھی کہ میں قرآن مجید پر تیاری کروں، میں نے ڈاکٹر صاحب سے عرض کیا کہ مجھ کو جو دلچسپی حدیث سے ہے وہ ابھی قرآن مجید سے نہیں ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے فرمایا، لگے رہئے بشر کو پہلے بشری کلام سے مناسبت ہوتی ہے، جب دل و دماغ میں جناب رسول ص کے کلام کا نور پہونچے گا تو انشاء اللہ خدا کے کلام سے مناسبت پیدا ہو جائے گی، اسی سلسلہ سے ڈاکٹر صاحب مرحوم نے مجھ کو حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی خدمت میں بھیجا۔ سید صاحب کی خدمت میں جانے کے بعد پہلی بار معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تشریح وتفسیر کا صحیح اندازہ کیا ہے۔ دار المصنفین کے قیام کے دوران پونے سات برس میں نے سید صاحب کی رہنمائی میں کتب تفسیر اور علم العقائد کا مطالعہ کیا، یہیں کے دوران قیام سیرت نبوی جلد اول پر نظر ثانی کی جس کے دو فائدے حاصل ہوئے پہلا اور اصل فائدہ یہ ہوا کہ ذات نبوی سے ایک عجیب تعلق پیدا ہو گیا جس پر سارے تعلقات قربان کئے جا سکتے ہیں، دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ صحیح طور پر تحقیق وریسرچ کا طریقہ معلوم ہوا۔

مخدومی مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی کی ذات اور ان کی تحریروں کا مجھ پر بڑا احسان ہے، مغربی تمدن سے نفرت اور ان کی علمی بے مائیگی کا علم حمایت دین کا جوش وخروش مولانا ہی کی توجہات کا رہین منت ہے۔

اس سلسلہ میں مولانا مسعود علی ندوی کا نام لینا میرے لئے ضروری ہے اسلئے کہ مجلسی آداب یا اصول زندگی گزارنے کا تھوڑا بہت جو کچھ بھی سلیقہ آیا وہ مولانا ہی کی زندگی کا عکس ہے،

س:۔ تفسیر کی کن کتابوں سے آپ کو زیادہ مدد ملی۔

ج۔ میں نے سید صاحبؒ سے جس انداز سے قرآن مجید کے سلسلہ میں استفادہ کیا ہے، اس لحاظ سے کسی ایک کتاب کا متعین کرنا مشکل ہے، البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ حافظ ابن قیم رہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور سیرۃ النبی کے مطالعہ نے قرآن مجید کا ذوق پیدا کیا، سید صاحب علیہ الرحمۃ کی صحبت نے اس ذوق کی پوری پرورش کی۔

بنیادی طور پر تفسیر کبیر، روح المعانی نے بڑا فائدہ پہونچایا، نحوی مشکلات کے لئے ابوحیان ادبی پہلوؤں کے لئے کشاف طراز المثل السائر دلائل الاعجاز کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہوا لغوی تحقیقات کے لئے کسی ایک کتاب کا نام لینا آسان نہیں ہے،

س:۔ قرآن مجید کے طالبعلموں کے لئے آپ کیا مشورہ دیتے ہیں!

جواب:۔ میرا علوم قرآن کے طلبہ کے لئے مخلصانہ مشورہ ہے کہ سب سے پہلے اپنا ذوق دینی بنائیں، اہل دین کا تعلق دینی تصانیف مطالعہ میں رکھیں انشاء اللہ دینی مزاج بن جانیکے بعد قرآن مجید ایسا کھلے گا کہ جس کی لذت بیان کرنا آسان نہیں ہے۔

اس کے بعد نحو بلاغت، علم معانی، علم العقائد کا گہرا مطالعہ کریں، یہ ترتیب انشاء اللہ قرآن مجید کے سمجھنے کے لئے بڑی معاون ثابت ہوگی۔

قرآن مجید سے متعلق علوم کے سلسلہ میں علم الاحسان کو ہرگز نہ بھولنا چاہئے اس لئے کہ قرآن مجید کا حقیقی مقصد یہی ہے اس سلسلہ میں حافظ ابن قیم رہ کی مدارج السالکین کا مطالعہ بہت مفید ہوگا موجودہ عہد کی خدمات قرآنی کے سلسلہ میں تفسیر ماجدی کا مطالعہ بے حد فوائد کا حامل ہے۔

س:۔ اسلام کے عمومی تعارف کے لئے اور دینی بصیرت پیدا کرنے کے لئے اردو کتابوں میں کونسی کتاب آپ کے نزدیک بہتر ہے۔

ج:۔ میرے نزدیک اسلام کے کلی اور بنیادی تعارف کے لئے سیرۃ النبی سے بڑھکر دوسرا کوئی ذخیرہ نہیں ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رکھنا چاہئے کہ مختلف ذوق ہوتے ہیں اور ہر ذوق کے لئے الگ الگ نصاب ہے بعض حضرات کے لئے علامہ شبلی نعمانی رح کی کتابوں کا مطالعہ بے حد نافع ہوگا بعض حضرات کے لئے حضرت تھانویؒ کے مواعظ کا مطالعہ بید مفید ہوگا، ایک حلقہ کے لئے مولانا مناظر احسن گیلانی رح کی کتابیں مفید ہوں گی۔ لیکن پھر بھی کہوں گا کہ سید صاحب رح کی سیرۃ النبی اس سلسلہ نصاب کی بنیادی کڑی ہے۔

بقیہ خطبات نبویؐ

کو جاگر کرنے کی کم ضرورت رہی ہو مگر آج مشینی انقلاب نے انسان کو مصروف سے مصروف ترین بنا دیا ہے اور عزت کی روٹی کے لئے اسے اتنی شدید محنت کرنی پڑتی ہے جتنی شاید پہلے ایک حکومت اور ایک سلطنت کو چلانے کی ضرورت ہوا کرتی تھی اس لئے آج تو اس تعلیم کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنے کی ضرورت ہے، اس سے یہی نہیں ہوگا کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ خوشی اور رغبت کے ساتھ اپنے فرائض کو آسان سمجھ کر انجام دیں گے بلکہ اس سے انھیں یہ بات بھی معلوم ہوگی کہ دنیا بھی ایسی چیز ہے جس کا حصول جائز حدود میں گناہ نہیں یقین مانئے مسلمان اگر سربلند ہوں گے تو دنیا بھی نہ صرف ان کی قدر کرے گی بلکہ ان کے مذہب اور دین کو بھی عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھنے پر مجبور ہوگی۔

مسلمانو! تمہارے پاس زندہ مذہب ہے، اٹھو اور اسے اپنی زندگی میں اس طرح جاری کرو کہ ماضی کی طرح دنیا کی ہر قوم تم سے پیچھے رہ جائے۔ اور ہر شخص کو ماننا پڑے گا کہ دین میں اگر کوئی مذہب سربلند ہے تو وہ صرف اسلام ہے اور وہی سب سے زیادہ آسان اور سہل الحصول رہا ہے۔

ایک دفعہ آپ نے مسلسل دو دنوں تک تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی مگر جب صحابہ تیسرے دن بھی تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کے لئے مسجد نبوی میں آئے تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرے سے باہر نہیں آئے اور فجر کی نماز کے بعد آپؐ نے یہ خطبہ دیا۔

اما بعد فانہ لم یخف علی شانکم اللیلۃ ولکنی خشیت ان تفرض علیکم صلوٰۃ اللہ بل فتعجزوا عنہا

اما بعد۔ آج کی شب تمہاری حالت مجھ پر مخفی نہ تھی لیکن مجھے اندیشہ ہوا کہ رات کی یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے اور تم اس سے عاجز ہو جاؤ۔ اسی لئے میں نہیں آیا۔

مسلم ج ۲۔ ص ۲۲۳

ایک دوسری جگہ یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے۔

یا ایہا الناس علیکم من الاعمال ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا وان احب الاعمال الی اللہ ما دوم علیہ وان قل

لوگو! تم ان اعمال کو لازم پکڑو جن کی تم کو طاقت ہو اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالے تھکتے نہیں مگر تم تھک جاتے ہو، بیشک اعمال میں سب سے بہتر وہ عمل ہے جس پر دوام ہو اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو

مسلم ج ۲۔ ص ۲۴۱-۲۴۲

ایک خطبہ اور ملاحظہ ہو۔

عن ابن عباسؓ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ۔ الا ان اللہ قد فرض فرائض وسن سننا وحد حدودا واحل حلالا وحرم حراما وشرع الدین فجعلہ سہلا سمحا واسعا ولم یجعلہ ضیقا الا انہ لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا دین لمن لا عہد لہ ومن نکث

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ نے ہر حقدار کا حق مقرر فرما دیا ہے۔ فرائض بھی بیان کئے سنن اور طریقے بھی بتائے، حدیں مقرر کیں حلال کا حلال ہونا حرام کا حرام ہونا واضح کیا اور دین کو نہ صرف مکمل کیا بلکہ اسے سہل آسان، وسیع اور کشادہ بھی رکھا تنگی روا نہیں رکھی بے ایمان وہ ہے جو امانتدار نہ ہو بے دین وہ ہے جو عہد وپیمان کا پابند نہ

ذمۃ اللہ طلبہ ومن نکث ذمتی خاصمتہ ومن خاصمتہ فلجت علیہ ومن ذمتی لم ینل شفاعتی ولم یرد علی الحوض۔ (طبرانی فی الکبیر)

خدا اپنے نافرمانوں سے جواب طلب کرے گا میں بھی اپنی نافرمانی کرنے والوں سے لڑوں گا اور غالب ہو کر رہوں گا میری نافرمانی کرنے والا نہ صرف میری شفاعت سے محروم رہیگا بلکہ میرے حوض پر بھی نہ آسکیگا

مذکورہ خطبوں سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوتی کہ شارع نے رخصت وعزیمت کی جو حد مقرر کی ہے، وہی دراصل اطاعت ہے، رخصت کی جگہ رخصت نہ اپنانا اطاعت نہیں بلکہ نافرمانی ہے جس پر وعید اور عتاب کا اندیشہ ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ دین کوئی ہوا نہیں اور نہ کوئی شکنجہ ہے کہ اس میں آجانے سے انسان دنیا میں کسی کام کا نہ رہے یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جو لوگ دین کو مشکل، ہیبت اور دہشت انگیز بنا کر پیش کرتے ہیں وہ حقیقتاً دین کی کوئی بہتر خدمت انجام نہیں دیتے دین آسان ہے وہ نہ ترک دنیا کی اجازت دیتا ہے نہ غرق دنیا کی مگر افسوس اب یہی دو راستے ہمارے سامنے رہ گئے ان کے علاوہ اور کوئی تیسرا راستہ نہیں عام لوگ اگر دنیا داری میں حد سے زیادہ آگے بڑھ گئے تو خاص لوگ خاص قسم کی دنیاداری میں حالانکہ ان دونوں چیزوں کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں، اسلام اگر حجرے میں بیٹھ کر تجرد کی زندگی بسر کرنے کی ممانعت کرتا ہے تو دوسری طرف دنیا میں رہ کر خدا سے غافل ہونے کی اجازت بھی نہیں دیتا اور نہ عزت کی زندگی کا دشمن ہے نہ جائز حدود میں رہ کر دنیا کے دوسرے امور کی انجام دہی کا، اسی لئے تو اس نے اعلان کیا۔ الدین یسر۔ دین آسان ہے۔

ہو سکتا ہے کسی زمانے میں دین کی اس بنیادی حقیقت

بقیہ ص ۱۲ پر

مطالعہ کی میز پر

احکام شرعیہ میں فرق مراتب

ایک بڑی غلطی اور بے احتیاطی جسمیں عوام تو عوام بعض وقت علماء تک گرفتار ہو جاتے ہیں یہ ہے کہ وہ احکام شرعیہ کے فرق مراتب کا پورا لحاظ نہیں کر پاتے وہ ان چیزوں پر جو شرعی نقطہ نظر سے دوسرے احکام اور تعلیمات کے مقابلہ میں کم اہم ہیں زیادہ زور دیتے ہیں اور بعض اہم ترین شعبے سہل انگاری کا شکار ہو جاتے ہیں، مولانا کے طریقہ تربیت میں اس بات کا بہت خیال رکھا گیا ہے، وہ چاہتے تھے کہ شریعت میں جو چیز جس درجہ کی ہو اسکو اسی درجہ پر رکھا جائے اور اس میں اپنے مذاق اور رجحان کو بیجا دخل کی اجازت نہ دیجائے بلکہ شریعت کی حکمت ومصلحت اور اس کے حکم کو مقدم رکھا جائے۔ مولانا کہتے ہیں:۔

"طالب خدا کو اور شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے والیکو بہت ضروری ہے کہ جو حکم جس مرتبہ کا ہے اس پر رکھے، کمی بیشی نہ کرے، اور اپنے اعتقاد میں وہی مرتبہ اسکا سمجھا رہے، مستحب کو واجب وفرض نہ خیال کرے، یعنی مستحب کے تارک کو ایسا برا اور لائق ملامت نہ سمجھے جیسا کہ تارک فرض وواجب کو سمجھنا چاہئے کیونکہ مستحب کا ترک جائز ہے، اسوجہ سے اگر کسی نے ترک کر دیا تو وہ ملامت کا مستحق نہیں ہو سکتا، خصوصاً اسوقت میں کہ شریعت پر چلنا دشوار ہو گیا ہے، یہاں زیادہ غور طلب امر یہ کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص مستحب کو بدعت کہدے اور اس سے انکار کرے تو اس کا کیا حکم ہے، اسوقت اسی بنیاد پر بہت جھگڑے رہتے ہیں اور اکثر طرفین سے افراط وتفریط ہو جاتی ہے۔ ایسے کم حضرات دیکھے جاتے ہیں جو افراط تفریط کو چھوڑ میانہ روی اختیار کریں اور عوام کو امر حق اس طرح سمجھائیں کہ وہ سمجھ جائیں کہ اسی قدر زیادتی وکمی ہے، اس قدر غلط ہے اور اس قدر صحیح امر ہے جسپر ہمیں عامل ہونا چاہئے، مستحب کی دو قسمیں ہیں وہ مستحب جنکا ثبوت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے یا خلفائے راشدینؓ کے قول وفعل سے ثابت ہوئے کوئی بدعت نہیں کہہ سکتا، اور جو کہے وہ غلطی کرتا ہے۔

سیرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ

(از مولانا محمد علی مونگیریؒ)

خطباتِ نبویؐ

الدین الیسر

حبیب الرحمٰن ندوی!

اسلام دین رحمت ہے، اس کا ہر حکم آسان اور سہل الحصول ہے اعتقادات میں بھی وہ کوئی ایسی بات تسلیم نہیں کراتا جو ناممکن یا محال ہو، عبادات میں بھی اس نے انسان کی دلچسپی اور قوت برداشت کا زیادہ خیال رکھا اور صاف بتایا کہ "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (البقرہ)"

دنیا کے تقریباً سبھی مذاہب میں محنت و مشقت اور طرح طرح کی جسمانی و روحانی اذیتوں کو رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے مگر اسلام یہ بتاتا ہے کہ محنت و مشقت اٹھانا اور تکلیف برداشت کرنا عبادت ہے نہ منشائے قدرت اس نے تو یہاں تک کہا کہ وہ عبادت عبادت ہی نہیں جس میں خشوع و خضوع اور "تقویٰ" جیسی صفات پیدا نہ ہوں۔ اسلام ہی نے "تقویٰ" کے حصول کی یہ شرط بھی بتائی کہ انسان عبادات کو شوق و دلچسپی سے ادا کرے اسی وجہ سے بھی اگر وہ اکتا گیا تو شوق اور دلچسپی کا کیا سوال تقویٰ اور خشوع کا امکان بھی جاتا رہا اسی لئے کہا گیا "خذوا من الاعمال ما تطیقون"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مضمون پر ایک خطبہ بھی دیا ہے، امام بخاری رح حضرت انس رضہ سے یہ روایت بیان کرتے ہیں۔

"ایک مرتبہ تین آدمیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات اور آپ کے معمولات کا حال دریافت کیا اور کہا جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے جن کی اگلی اور پچھلی تمام گناہیں معاف کی جا چکی ہیں تو ہم کو اس سے کہیں زیادہ عبادت کرنا چاہئے کہ ہم غیر معصوم اور سراپا تقصیر ہیں، چنانچہ ایک صاحب نے عہد کیا" میں ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں عمر بھر روزہ رکھا کروں گا" تیسرے نے کہا۔ "میں نکاح نہ کرکے پوری زندگی عبادت الٰہی میں گذار دوں گا" حضرت انس رضہ بیان کرتے ہیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی گئی تو آپ بہت خفا ہوئے اور اس موقع پر آپ نے یہ خطبہ دیا جس میں حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا۔

ما بال اقوام قالوا کذا وکذا۔ اما واللہ انی لاخشاکم واتقاکم لہ ولکنی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔

لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ ایسی ایسی باتیں کہہ رہے ہیں خدا کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور خوف رکھنے والا ہوں لیکن اس کے باوجود میں روزے بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں اور بیوی بھی رکھتا ہوں۔ جان لو یہی میرا طریقہ ہے جو اس سے روگردانی کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ معالم التنزیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ نقل کیا گیا ہے۔

ما بال اقوام حرموا النساء والطعام والطیب والشہوات الدنیا اما انی لست آمرکم ان تکونوا قسیسین ورہبانا فانہ لیس فی دینی ترک اللحم والنساء ولا اتخاذ الصوامع وان سیاحۃ امتی الصوم ورہبانیتہم الجہاد واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا وحجوا واعتمروا واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ وصوموا رمضان واستقیموا یستقم لکم فانما ہلک من قبلکم بالتشدید شددوا علی انفسہم فشدد اللہ علیہم فتلک بقایاہم فی الدیار والصوامع فانزل اللہ عزوجل ہذہ الآیۃ — یا ایہا الذین آمنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم الخ

لوگوں کو کیا ہوگیا کہ وہ اپنے اوپر عورتوں کو، کھانے کو خوشبو کو اور دنیا کی لذیذ چیزوں کو حرام کرنے لگے۔ دیکھو میں تم کو ہدایت یا تارک الدنیا بننے کا حکم نہیں دیتا میرے دین میں ترک لحم ترک عورت اور عبادت گاہوں میں مگن جانا نہیں۔ میری امت کی سیاحت صوم ہے اور ان کی رہبانیت جہاد، لوگو! خدا کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو حج و عمرہ ادا کرتے رہو، نماز اور روزہ اور زکوٰۃ کو لازم پکڑو اور اسی پر جمے رہو، درستی طلب کرو تاکہ تمہارے درستی کی جائے، تم سے پہلے لوگ سختی کی وجہ سے ہلاک ہوئے وہ خود دین میں سختی کرنے لگے تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی انہیں میں سے کچھ لوگ عبادت خانوں اور خانقاہوں میں نظر آتے ہیں۔ اسی دوران اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی مسلمانو! جو پاک چیزیں اللہ نے تم پر حلال کی ہیں انہیں حرام نہ کرو اور حد سے آگے نہ بڑھو ایسے لوگوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔

ایک جگہ خطبے کے یہ الفاظ بھی ہیں۔

ان لانفسکم علیکم حقا فصوموا وافطروا وقوموا وناموا فانی اقوم وانام واصوم وافطر وآکل اللحم والاسم وآتی النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔

خود تمہارا بھی تم پر حق ہے اس لئے روزے رکھو افطار بھی کرو، راتوں میں نماز پڑھو سو بھی جایا کرو میں خود بھی نماز پڑھتا ہوں سوتا ہوں کبھی دن روزہ رکھتا ہوں کبھی دن افطار کرتا ہوں، گوشت روغن کھاتا ہوں پس جس شخص نے میرے طریقے کو چھوڑ دیا وہ مجھ سے نہیں۔

حضرت عائشہ رضہ بیان کرتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عبادت شروع کی پھر آپ نے اسے ترک کر دیا اور لوگوں کو اس سے منع کر دیا مگر کچھ لوگوں کو یہ رخصت پسند نہیں آئی، حضرت عائشہ رضہ بیان کرتی ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ بہت خفا ہوئے یہاں تک کہ روئے انور سے غصہ کی کیفیت ظاہر ہونے لگی ذیل کا یہ خطبہ آپ نے اسی موقع پر ارشاد فرمایا۔

ما بال رجال بلغہم عنی امر ترخصت فیہ فکرہوہ وتنزہوا عنہ فواللہ لانا اعلمہم باللہ واشدہم لہ خشیۃ (مسلم)

ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ مجھ سے جب کوئی بات ان کو معلوم ہوئی اور جس میں نے ہی رخصت دی تو ان کو یہ بات ناگوار گزری خدا شاہد ہے میں اسکی منشاء کو لوگوں سے زیادہ جانتا اور سب سے زیادہ اللہ سے خوف رکھنے والا ہوں

سنت کی تشریعی حیثیت پر دلائل

ابھی تک ہم نے صرف اقوال صحابہ اور حدیث رسول سے ہی بحث کی ہے، لیکن چونکہ منکرین نے اس بارے میں عقلی دلائل سے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اس لئے ہم بھی اپنے دعویٰ کو عقل کی روشنی میں کرتے ہیں۔

(۱) اگر عقل سلیم کو کام میں لایا جائے اور ذرا سا تدبر سے کام لیا جائے تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ عقل پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ سنت کی تشریعی حیثیت تسلیم کر لو۔ کیوں؟ اسے بھی ملاحظہ فرمایئے۔

رسول کے خطاء سے معصوم ہونے میں کس کو شک ہو سکتا ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تبلیغ دین کا کام اسی کے ذمہ ہوتا ہے اور وہ اپنے الفاظ میں دین کے احکام لوگوں تک پہونچاتا ہے۔

جب رسول کو متفق علیہ طور پر معصوم تسلیم کر لیا گیا تو پھر اسکی باتوں پر کیوں نہ عمل کیا جائے اور اس کی باتوں کا ہی دوسرا نام سنت ہے، البتہ یہ ملحوظ رہے کہ ہر قسم کی گفتگو کو سنت کا نام نہ دیا جائے۔

(۲) اب ذرا عقل پر پھر زور ڈال کر نصوص قرآن پر غور کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن تو اسی کا اعلان کر رہا ہے کہ سنت کی تشریعی حیثیت تسلیم کر لو:

دیکھئے وہ حسب ذیل آیت میں یہی تو کہہ رہا ہے

(۱) یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر الخ

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اور اپنے ذمہ دار لوگوں کی اطاعت کرو، پس اگر تم کسی معاملہ میں جھگڑو پس اسکو لوٹا دو اللہ اور اس کے رسول کی طرف اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

اور کیا یہ آیت مذکورہ بالا آیت کی تائید میں نہیں ہے۔

(۲) اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا — اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ڈرو!

ذرا ایک اور آیت ملاحظہ فرمایئے، بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ یہ منکرین حدیث کی تردید میں ہی نازل ہوئی ہے۔

ارشاد باری ہے۔

(۳) فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبہم فتنۃ۔ — پس چاہئے کہ ڈریں وہ لوگ جو اس کے حکم کے خلاف ورزی کرتے ہیں اس کہ انہیں کوئی مصیبت پہونچے!

مذکورہ بالا آیت رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنیوالوں کو مصیبت پہنچنے کی وعید وارد ہوئی ہے۔ کیا یہ وعید موجودہ دور کے منکرین حدیث کے حق میں بھی صادق ہوتی ہے؟ اس کا فیصلہ منکرین اپنے ضمیر سے خود کرائیں۔

مزید وضاحت کے لئے چند آیتیں اور پیش کی جاتی ہیں۔

(۴) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ — جس نے رسولؐ کی اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی

اگر اس سے زیادہ واضح آیت کی ضرورت ہو تو اس آیت پر نظر ڈال لیجئے۔

(۵) ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا۔ — رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو تمہارے پاس لے کر آئیں پس اسکو لے لو اور جس سے تمہیں روکیں پس رک جاؤ۔

اور اگر وضاحت چاہئے تو یہ آیت بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۶)

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔

مذکورہ بالا آیات کے مطالعہ سے یہی تو واضح ہوتا ہے کہ رسول جو بات بھی شریعت کے بارے میں کہے اُسے تسلیم کرو، جب قرآن خود سنت کو تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے تو پھر سنت سے انکار کیوں؟

(۳)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے ان تمام فتن کے سدباب کے لئے انتظامات کر دیئے[1] ہیں جو قیامت تک پیش آئیں گے۔

چنانچہ اس عظیم فتنہ کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ میں اشارہ ہے۔

یوشک باحدکم ان یقول ہذا کتاب اللہ ما کان فیہ من حلال احللناہ وما کان فیہ من حرام حرمناہ الا من بلغہ عنی حدیث فکذب اللہ ورسولہ والذی حدثہ[2]

ترجمہ

ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی یہ کہے، یہ اللہ کی کتاب ہے۔ جو کچھ اس میں حلال ہے اسکو ہم نے حلال کرلیا اور جو اس میں حرام ہے اسی کو ہم نے حرام کرلیا سن لو جس کو میری جانب سے کوئی حدیث پہونچے پس وہ اسی کو جھٹلائے، پس بیشک اس نے اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا اور جو کچھ کہا جھوٹ کہا۔

کس قدر صراحت کے ساتھ فرما دیا کہ جس نے میری بتائی ہوئی باتوں کو جھٹلایا اس نے اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا، اور وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ بھی جھوٹ ہے، کیا اتنی صراحت کے بعد بھی شک کی گنجائش رہ جاتی ہے؟

ان تمام دلائل سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حدیث کو تسلیم کئے بغیر دین کے بیشتر گوشے تاریک رہیں گے، اس لئے اسکو تسلیم کرنے میں ہی عافیت ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس عقل سلیم ہے وہ سب اسکو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ مگر جو کج فہم و کوتاہ بین ہیں ان کی راہ نرالی اور الگ ہے۔

---

[1] الموافقات ج ۳ ص ۱۳
[2] رواہ الطبرانی فی الاوسط عن جابر

بقیہ احتجاجی جلسۂ عام

ہمارے کلچر نے اور ہم نے اس ملک کو پروان چڑھایا ہے اور اسکے چپے چپے پر ہمارا حق ہے اور ہم اپنا حق حاصل کرکے رہیں گے چاہے اس کے لیے جان کی بازی لگا دینی پڑے۔

اگر کوئی یہ کہتا ہے اور یہ خیال فرمانے کی کوشش کرتا ہے کہ یہاں پر اقلیت کا کوئی حق نہیں تو ہم اُسے جھٹلاتے ہیں، ہم اس سے بغاوت کرتے ہیں۔ اگر علیگڈھ کے بارے میں جس پر ہم نے اپنا خون جگر بہایا ہے اور اپنے خون دیدہ سے اسے سیراب کیا ہر جس پر ملت کے جوہر قربان ہوئے ہیں، اور جس پر اس ملت کے بڑے سے بڑے لوگوں نے اپنی صلاحیتیں صرف کی ہیں اگر ہم ایک جنبش قلم سے اس سے محروم ہو جائیں اور اس پر ہمارا حق باقی نہ رہ جائے، اگر اس ادارے کے بارے میں اور ان روایات اور مسلمات کے بارے میں ہمارا کوئی حق نہیں اور ہم کو یہ آزادی نہیں کہ اس کو اپنے کلچر اور اپنے تہذیب کے مطابق چلا سکیں تو پھر ہندوستان میں وہ کونسی جگہ ہے جس کے بارے میں تم کہہ سکتے ہو کہ یہاں مسلمانوں کو ان کے کلچر اور ان کی تہذیب کی پوری پوری آزادی حاصل ہے۔

یہ مسئلہ بیشک مسلمانوں کا مسئلہ ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی جھجک اور عار نہیں کہ یہ مسلمانوں کا اور صرف مسلمانوں کا مسئلہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ ہندوستان کی جمہوریت اور سیکولرزم کا مسئلہ ہے جس پر دستور کی بنیاد قائم ہے، یہ ہندوستان کے دستور کی صداقت کا مسئلہ ہے، یہ دستور کی سچائی اور اس کی عصمت کا امتحان ہے۔ اگر علیگڈھ باقی ہے اور مسلمانوں کو اس پر حق حاصل ہے تو اس بات کا ثبوت ہے کہ ہندوستان کا دستور سچا ہے اور اگر ایسا نہیں تو یہ دستور ایک دھوکہ ہے۔، ہم اس دستور کو جھٹلاتے ہیں بلکہ ہم اس سے بدگمانی کی دعوت دیتے ہیں اور اس کے خلاف شک و شبہ کی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں، یہ دراصل ایک دھبہ ہے ہندوستان کی صداقت اور اس کے دستور کی سچائی بلکہ اس کی پیشانی پر ایک بدنما داغ ہے جسکو اسی وقت دھویا نہ گیا تو صدیوں تک باقی رہے گا۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ایک شریف انسان ہونے کی حیثیت سے اور ایک ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس دھبے کو مٹا دیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کو ختم کر دیں، یہ ایک احسان ہوگا قوم پر ملک پر، اور اس ملک والوں اور اس سے بڑھ کر خود حکومت پر۔

بس میں ان الفاظ کے ساتھ اس ریزولیوشن کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ علیگڈھ کو اس کے کردار اور جذبات کے ساتھ باقی رہنا چاہیئے جو اس کو فنا کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ قوم و وطن کا غدار اور اپنے ملک کا دشمن ہے۔

بقیہ مولانا عبدالحق محدث دہلوی رح

وہ شخص ہیں جنہوں نے ناسازگار ماحول میں حق پسندی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اس وقت جب کہ علماء بد کی وجہ سے دین میں نئی نئی باتیں پیدا ہو گئیں تھیں، اور مذہب کی بنیادیں کھوکھلی ہو گئی تھیں، شاہ صاحب رح کی بلند ہمتی کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان پر جہاں علم حدیث کو لوگوں نے پس پشت ڈال دیا تھا علم حدیث کو فروغ دیا یہ شیخ صاحب رح کا زندہ جاوید کارنامہ ہے، شیخ صاحب رح پہلے شخص ہیں جن کی بدولت ہندوستان میں علم حدیث کا احیاء ہوا اس کا سہرا انہی کے سر ہے!!

شیخ صاحب رح کی خدمات!

(۱) ایسے دور میں جب کہ علم حدیث کا چرچہ شمالی ہندوستان میں ختم ہو چکا تھا، انھیں نے یقین محکم و عمل پیہم سے اسکو از سر نو زندہ کیا۔

(۲) کتب احادیث کو اپنے زمانہ کے نصاب کے لئے لازمی قرار دیا۔

(۳) فارسی زبان میں کتب احادیث کے منتقل کرنیکی باقاعدہ کوشش اور اس طرح شیخ صاحب رح نے، اسلامی علوم کو مالا مال کیا۔ ابوالکلام آزاد (مرحوم) "تذکرہ" میں رقمطراز ہیں، شیخ صاحب جس دور میں علم و قلم کے بانی ہوئے اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ حدیث کے متعلق فارسی زبان میں جو (اسوقت) ملک کی عام زبان تھی تصنیف و ترجمہ کی بنا ڈالی۔

(۴) شیخ صاحب رح نے مشکوٰۃ شریف پر خاص توجہ مرکوز کی انھوں نے مشکوٰۃ کی شرح عوام و علماء کی ضروریات کے پیش نظر عربی و فارسی میں رقم کی۔

(۵) شیخ صاحب نے حدیث کی مختلف کتابوں میں جو خدمت کی وہ بے بہا۔

جامع البرکات شرح مشکوٰۃ۔ شرح صحیح البخاری، اشعۃ اللمعات لمعات التنقیح، اسماء الرجال والروایات، شیخ صاحب رح کی تصانیف ایک سو سے زیادہ بتائی جاتی ہیں جن کو فضیلت کا استحقاق اب بھی حاصل ہے۔ شیخ صاحب رح کا مسلمانان ہند پر اتنا بڑا احسان ہے کہ جسکو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم۔
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

حضرت مولانا محمد یوسف کا ایک خط

ایک طالب علم کے نام!

از بستی حضرت نظام الدین رح — ۶۳۶

۲۲، محرم الحرام

مکرم محترم بندہ مولوی محمد ایوب خاں ندوی۔ وفقنا اللہ وایاکم لما یحب و یرضی۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

خط سے قبلہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہم کا پیام موصول ہوا۔ جزاکم اللہ۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ آپکو دینی علوم میں سے حصہ کامل عطا فرمائے۔ اور ایمان و عمل صالح سے نوازے، دو چیزیں علم ایمان عمل صالح، اصل ایمان و عمل صالح ہے اسی پر ہی خدا تعالیٰ نے وعدہ کئے ہیں آمنوا و عملوا الصالحات، علم ان دو کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے اہم ہو گیا ہے الحمد للہ ہمارے مدارس دینیہ سے علم تو ضرور حاصل ہو جاتا ہے لیکن ایمان و عمل کے حاصل کرنے کیلئے بھی علم کی طرح محنت و مجاہدہ کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کے نام سے اس زمانہ میں اسی سنت کو شروع کروا رکھا ہے آج علوم الہیہ والے علوم سفلیہ والوں کے آگے جھکے رہتے ہیں اور ان سے ہنا مرعوب ہیں کہ علوم سفلیہ میں علم ہے اسکے مطابق یقین اور عمل بھی ہے اور علوم الہیہ میں علم ہے لیکن اسکے مطابق نہ یقین ہے نہ عمل۔ اسلئے آپ دل لگا کر علوم میں مشغول رہیں لیکن فراغت کے اوقات کو تبلیغی جماعت کے ساتھ لگانے کی پوری کوشش کریں خصوصاً ماہانہ سالانہ چھٹیوں میں کچھ نہ کچھ ضرور دعوت میں لگائیں!

فقط بندہ محمد یوسف — بقلم محمد احسان الحق

مجلسِ تحقیقات و نشریاتِ اسلام

ندوۃ العلماء — ذرائع تعاون — لکھنؤ

- سب سے بڑا تعاون مجلس کی مطبوعات و لٹریچر کو صحیح جگہوں پر پہنچانا اور ان کی اشاعت
- مجلس کے کاموں کیلئے مستقل عطیے، مثلاً:

(الف) رکنیت دوامی (لائف ممبری) جو صاحب پانچسو روپئے عنایت فرمائیں گے وہ مجلس کے لائف ممبر شمار ہونگے۔ لائف ممبر کو مجلس کی مطبوعات ہمیشہ بلا قیمت فراہم کی جائیں گی

(ب) ہمدرد، جو حضرات دو سو روپئے عنایت فرمائیں گے وہ مجلس کے ہمدرد شمار ہونگے مجلس ہمدرد کو پانچ سال تک اپنی مطبوعات بلا قیمت پیش کریگی۔

(ج) معاون، جو حضرات پچیس روپئے عنایت فرمائینگے وہ مجلس کے معاون شمار ہونگے مجلس انھیں اپنی اولین کتاب "مقالات سیرت" بلا قیمت اور بقیہ تمام مطبوعات رعایتی قیمت سے فراہم کرے گی۔

اس کے علاوہ غیر مستقل عطیے اور مفید مشورے اس اہم کام کی ترقی و تقویت اور کارکنان مجلس کی ہمت افزائی کا باعث ہوں گے۔

- آج ہی رکنیت کا فارم پُر کرکے اپنی علم دوستی
- اور اسلام نوازی کا ثبوت دیجئے